Www.kashmirulyoum.com.pk

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان
راولپنڈی
ماہنامہ
کشمیر الیوم
(رجسٹرڈ)

جلد نمبر 23، شمارہ نمبر 3، اکتوبر 2025ء ربیع الثانی/ جمادی الاول ۱۴۴۷

مجلس مشاورت

متین فکری

عرفان صدیقی | حامد میر

سرور منیر راؤ | رُباب عائشہ | عاصم قدیر رانا

مدیرِ اعلیٰ : شیخ محمد امین

مدیر : فاروق احمد

نمائندگان

شمالی پنجاب : ارشد ایوب
آزاد جموں وکشمیر : غازی محمد اعظم
گلگت بلتستان : عبدالہادی ہونجوی
سرینگر : سید مزمل حسین سہروردی
جموں : وجے کمار رینا
لداخ : جعفر حسین علوی
لندن : انوار الحق
نیو یارک : فائزہ نذیر

ڈیزائننگ : شیخ ابو حماد
کمپوزنگ :
منیجر فائنانس / سرکولیشن : شبیر یوسف
معاون سرکولیشن : طارق احمد

انچارج شعبہ اشتہارات : راجہ محمد شفیق

ویب انچارج : ڈاکٹر بلال احمد

اس شمارے میں

اداریہ	کشمیر۔۔تاریخ کا گہرا زخم	چیف ایڈیٹر کے قلم سے	3
گرداب	دوحہ اجلاس، کھودا پہاڑ نکلی مذمت	سید عارف بہار	4
اظہار خیال	کشمیر کی تاریخی خود مختاری اور جدوجہد آزادی	شہزاد منیر احمد	6
شخصیات	ممتاز علمی وروحانی شخصیت باباچلاسیؒ کی رحلت	جاراللہ خان	9
یاد رفتگاں	ماسٹر نذیر الدینؒ	اعجاز نازکی	12
شخصیات	ڈاکٹر مفکر احمدؒ، ایک عہد ساز شخصیت	حافظ عبدالرحمن مفکر/خالد عمران	13
شخصیات	میرے دوست میرے رہنما ڈاکٹر مفکر احمدؒ	اویس بلال	15
تذکرہ شہید	شہید محمد اشرف ڈارؒ	شہباز بڈگامی	16
تذکرہ شہید	ڈاکٹر منان وانی شہیدؒ	میر عبدالرشید فرقانی	19
تذکرہ شہید	کمانڈر سیف الرحمن باجوا شہیدؒ	عبدالحمید ڈار	21
فکر ونظر	کشمیر وفلسطین۔۔دو زخم ایک کہانی	سید عمر اویس گردیزی	23
یاد رفتگاں	آہ میرے بھائی۔۔۔عبدالحئی خانؒ	ریاض احمد خان	26
سوال وجواب	آپ نے پوچھا ہے!!!	مفتی خالد عمران خالد	27
علم وادب	علامہ اقبالؒ اور پیام سید مودودیؒ	سعید احمد	29
کشمیر کے شب وروز	مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان خونی معرکے	ہمایوں قیصر	30

ماہنامہ کشمیر الیوم میں شائع ہر کالم، کالم نگار کی ذاتی آراء پر مبنی ہوتا ہے،
جس سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں (چیف ایڈیٹر)

پبلشر : خواجہ محمد شہباز
مقام اشاعت : D-1005، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی
مطبع : والضحیٰ پرنٹرز، قیصر پلازہ، صدر، راولپنڈی

Regd. No. 885
Mails. B/NPR-234

قیمت 50 روپے، سالانہ زرتعاون 500 روپے

خط وکتابت اور رابطہ کیلئے: دفتر ماہنامہ "کشمیر الیوم" NA/300-A نیو ملپور ڈبل روڈ راولپنڈی Kashmirulyoum2014@gmail.com, 051-4934369

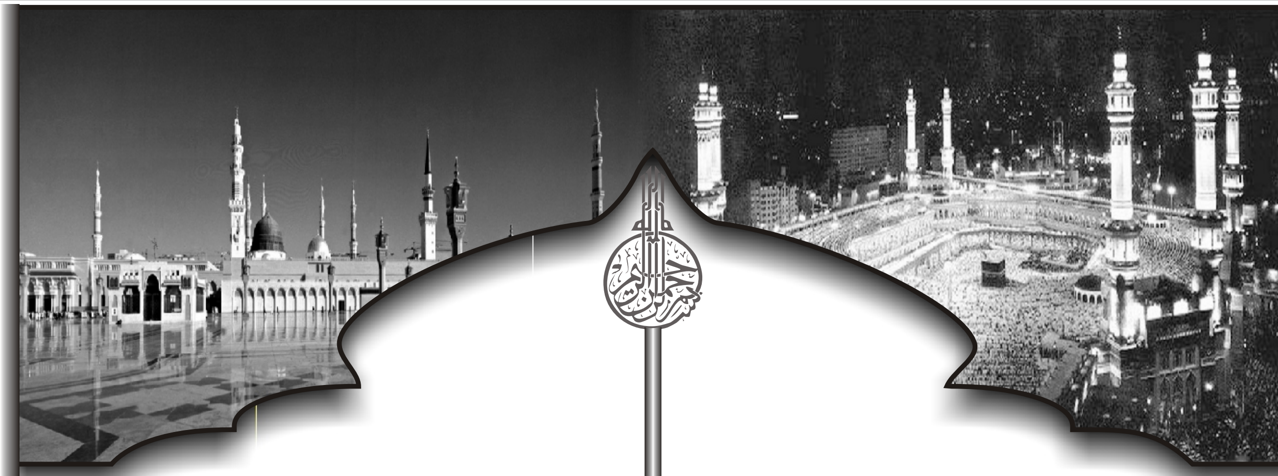

القرآن

اللہ کی خاطر صبر کرنے والوں کا انعام!!!

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آگئے۔اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔اِسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے۔جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کرلی ان کے لیے بھلائی ہے،اور جنہوں نے اسے قبول نہ کیا وہ اگر زمین کی ساری دولت کے بھی مالک ہوں اور اتنی ہی اور فراہم کرلیں تو وہ خدا کی پکڑ سے بچنے کے لیے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بری طرح حساب لیا جائے گا اور ان کا ٹھکانا جہنّم ہے،بہت ہی برا ٹھکانہ۔بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمہارے رب کی اس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل کی ہے حق جانتا ہے،اور وہ شخص جو اس حقیقت کی طرف سے اندھا ہے،دونوں یکساں ہو جائیں؟نصیحت تو دانشمند لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں۔اور ان کا طرزِعمل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں،اسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے۔ان کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں،اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے۔ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں،نماز قائم کرتے ہیں،ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں،اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لیے ہے۔

سورہ الرعد آیت نمبر 17 تا 22 فہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

الحدیث

رسول اللہؐ پر درود پاک پڑھنے کی فضیلت!!!

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے اور فرماتے : لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، کھڑکھڑانے والی آگئی ہے اور اس کے ساتھ ایک دوسری آ لگی ہے، موت اپنی فوج لے کر آگئی ہے۔موت اپنی فوج لے کر آگئی ہے“، میں نے عرض کیا : اللہ کے رسول! میں آپ پر بہت صلاۃ (درود) پڑھا کرتا ہوں سو اپنے وظیفے میں آپ پر درود پڑھنے کے لیے کتنا وقت مقرر کرلوں؟ آپ نے فرمایا : ”جتنا تم چاہو“، میں نے عرض کیا چوتھائی؟ آپ نے فرمایا : ”جتنا تم چاہو اور اگر اس سے زیادہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے“، میں نے عرض کیا : آدھا؟ آپ نے فرمایا : ”جتنا تم چاہو اور اگر اس سے زیادہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، میں نے عرض کیا دو تہائی؟“ آپؐ نے فرمایا : ”جتنا تم چاہو اور اگر اس سے زیادہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، میں نے عرض کیا : وظیفے میں پوری رات آپؐ پر درود پڑھا کروں؟۔ آپ نے فرمایا : ”اب یہ درود تمہارے سب غموں کے لیے کافی ہوگا اور اس سے تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے“۔ (ترمذی)

روزانہ انسان کے ہر ایک جوڑ پر صدقہ لازم ہے!!!

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”روزانہ انسان کے ہر ایک جوڑ پر صدقہ لازم ہے اور اگر کوئی شخص کسی کی سواری میں مدد کرے کہ اس کو سہارا دے کر اس کی سواری پر سوار کرادے یا اس کا سامان اس پر اٹھا کر رکھ دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔اچھا اور پاک لفظ بھی (زبان سے نکالنا) صدقہ ہے۔ ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور (کسی مسافر کو) راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے۔“ بخاری

کشمیر۔۔۔تاریخ کا گہرا زخم

27اکتوبر 1947 کا دن کشمیری تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے، جب بھارت نے فوجی جارحیت کے ذریعے ایک پرامن علاقے پر زبردستی قبضہ کرلیا۔مہاراجہ ہری سنگھ کے متنازعہ الحاق نامے نے سری نگر کی سرزمین کو خون و آگ سے رنگ دیا اور تقسیم برصغیر کے تناظر میں کشمیری عوام کے حق خودارادیت کے مقدس وعدے کو پامال کر دیا۔اقوام متحدہ کی قراردادوں اور عالمی عدالتوں کے واضح احکامات کے باوجود، بھارت نے نہ صرف اپنے وعدوں کی پاسداری نہیں کی بلکہ تشدد، جبر، اور سیاسی چالوں کے ذریعے کشمیریوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ 1949 میں کھینچی گئی سیز فائر لائن، جو بعد میں لائن آف کنٹرول کہلائی، نے جموں وکشمیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔اس کے باوجود، کشمیری عوام نے آزادی کی صدا بلند رکھی۔اس جدو جہد میں شہادتوں، گمشدگیوں، اور انسانی حقوق کی بدترین پامالیوں نے ایک دردناک تاریخ رقم کی، مگر کشمیریوں کا عزم کبھی کمزور نہ پڑا۔ 5 اگست 2019 کا دن ایک اور ظلم عظیم کا آغاز تھا، جب بھارتی حکومت نے آرٹیکل 370 اور 35A کو منسوخ کر کے کشمیریوں کی قومی شناخت کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ یہ اقدام نہ صرف آئینی حقوق کا خاتمہ تھا، بلکہ ایک پوری ثقافت اور تشخص پر حملہ تھا۔آبادیاتی تبدیلیاں، زمینوں کی جبری خرید وفروخت اور قبضہ، اور معاشی پابندیوں نے کشمیریوں کو سماجی ومعاشی تنہائی کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔عالمی برادری کی بے حسی اور دوہرا معیار کشمیریوں کی فریاد کو نظرانداز کرتا رہا۔کیا کشمیری انسان نہیں؟ کیا ان کی جان ومال کی کوئی قیمت نہیں؟ یہ سوال ہر انسان کو اپنی اخلاقی ذمہ داری پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔مسلم دنیا کی سفارتی خاموشی اور مصلحت پسندی نے بھی اس المیے کو گہرا کیا ہے۔اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی تحریری موجودگی عملاً بے عملی کی نذر ہوئی، جبکہ مسلم ممالک کے مفادات نے کشمیریوں اور فلسطینیوں کی آزادی کی آواز کو دبانے میں ایک کردار ادا کیا۔اب شاید وہ وقت آیا ہے کہ عالمی برادری، خصوصاً مسلم ممالک، اپنی سفارتی پالیسیوں کو انسانی حقوق کے تقاضوں سے ہم آہنگ کریں۔بھارت کے ساتھ تمام معاہدات کو کشمیریوں کے حق خودارادیت سے مشروط کیا جائے۔عالمی فورمز پر کشمیر کا مقدمہ شدت سے اٹھائیں اور کشمیریوں اور فلسطینیوں کو ان کا جائز حق دلائیں۔کشمیر اور فلسطین محض جغرافیائی تنازعات نہیں، بلکہ ایک عالمگیر انسانی المیہ ہیں۔جب تک کشمیریوں کو ان کا حق خودارادیت نہیں ملتا اور فلسطینیوں کو فلسطین نہیں ملتا تب تک دنیا میں پائیدار امن محض ایک سراب رہے گا۔تاریخ گواہ ہے کہ جبر سے دبی تحریکیں ایک دن ضرور اپنا حق لے کر اٹھتی ہیں۔

الوداع محبان وطن، الوداع!

ستمبر کا مہینہ اپنے دامن میں تین عظیم ہستیوں کی جدائی کا غم لے کر آیا، جن کی رحلت نے ہر دل کو سوگوار اور فضا کو رنج والم سے بھر دیا۔یہ وہ شخصیات تھیں جنہوں نے اپنی زندگیاں وطن عزیز کی آزادی، دین کی سربلندی اور انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ان کی جدائی نے نہ صرف وادئ کشمیر بلکہ ہر اس دل کو مغموم کر دیا جو تحریک آزادی کشمیر سے وابستہ ہے۔۔۔۔وادئ کشمیر کے صحرائی خاندان سے تعلق رکھنے والے انجینئر عبدالحی خان 13 ستمبر 2025ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ان کی زندگی جدو جہد اور قربانی کا ایک روشن باب ہے۔ان کے والد، بھائی، بھتیجے اور چچا شہادت کے عظیم مرتبے سے سرفراز ہوئے۔دو بھائی ہجرت پر مجبور ہوئے، جن میں سے ایک نجم الدین خانؒ دو سال قبل اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔عبدالحی خان نے خود بھارتی تعذیب خانوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، مگر ان کے عزم وہمت میں کبھی لغزش نہ آئی۔اسی طرح 11 ستمبر 2025ء کو معروف مجاہد رہنما، صحافی اور طبیب ڈاکٹر مفکر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔وہ ایک درویش صفت انسان تھے، جنہوں نے اپنی زندگی تحریک آزادی کشمیر کے لیے وقف کر دی۔ان کے قلم وزبان سے نکلا ہر لفظ وطن کی محبت اور آزادی کے جذبے سے سرشار تھا۔وہ نہ صرف ایک عظیم مجاہد تھے بلکہ ایک سچے ہمدرد اور مفکر بھی تھے، جنہوں نے اپنے علم وعمل سے ہزاروں دلوں کو متاثر کیا۔ان کی جدائی سے تحریکِ آزادی ایک عظیم رہنما سے محروم ہوگئی۔اسی دوران 19 ستمبر 2025ء کو شیخ الطریقت بابا چلاسی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔وہ ایک عظیم صوفی بزرگ تھے، جن کی زندگی اللہ کی محبت اور اس کے بندوں کی خدمت میں گزری۔ باہوش فنافی اللہ، انہوں نے ہزاروں افراد کی دینی، اخلاقی اور روحانی تربیت کی۔ان کا قلب پاک تحریک آزادی کشمیر کی کامیابی کے لیے دعاؤں سے معمور تھا۔وہ اپنی دعاؤں اور تعلیمات سے امید کی کرنیں بکھیرتے رہے۔ان کی جدائی سے روحانی دنیا ایک عظیم رہنما سے محروم ہوگئی، اور ان کے چاہنے والوں کے دلوں پر غم کا سایہ چھا گیا۔ان تینوں عظیم ہستیوں نے اپنی زندگیوں سے ہمیں استقامت، محبت، اور قربانی کا درس دیا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا اور ان کے درجات بلند فرمائیں، آمین یا رب العالمین

دوحہ اجلاس، کھودا پہاڑ نکلی مذمت

سید عارف بہار

قطر میں حماس کی قیادت پر حملوں نے عرب ملکوں کے لئے خطرے کی گھنٹی بجادی ہے۔اعتراض حماس کے لیڈروں کو نشانہ بنانے پر نہیں کیونکہ ماضی میں اسرائیل کئی عرب ملکوں میں فلسطینی رہنماؤں کو مختلف انداز میں نشانہ بناتا رہا ہے معاملہ یہ تھا کہ اسرائیل نے ایک آزاد عرب ملک کی فضائی حدود کیوں پامال کیں۔یہی وہ نکتہ تھا جو او آئی سی ملکوں کو سر جوڑنے پر مجبور کرنے کا باعث بنا۔قطر میں امریکی ائر بیسز موجود ہیں۔قطر کے دفاع کا امریکہ ضامن ہے مگر صدر ٹرمپ بہت بھولپن کے ساتھ کہتے ہوئے پائے گئے کہ اسرائیل نے قطر پر حملے سے پہلے اعتماد میں نہیں لیا۔یہ کیسے ممکن ہے کہ جس ملک میں امریکہ کے تزویراتی اثاثے مادی اور انسانی شکل میں موجود ہوں اس پر حملہ کرنے سے پہلے اسرائیل امریکہ کی رضامندی نہ لے۔کچھ ایسے ہی بھولپن کا مظاہرہ قطر کے وزیر اعظم نے یہ کہتے ہوئے کیا کہ ہمیں اسرائیل نے دھوکا دیا۔اسرائیل نے اسی طرح عرب ملکوں کو دھوکا دیتا چلا آرہا ہے۔

اسرائیل نے عرب حکمرانوں کا ہمیشہ یہ باور کرایا کہ ان کی جنگ تو دہشت گردوں اور اسرائیل مخالف دہشت گردوں کے خلاف ہے عرب حکمرانوں سے نہیں۔پھر یہ نقطہ ایک دائرہ بنا اور کہا گیا ہماری جنگ صدام اور حافظ الاسد جیسے اسرائیل مخالف عربوں سے ہے۔پھر سنی دنیا کو کہا گیا کہ ہماری جنگ شیعہ ایران سے ہے۔جب جب اسرائیل نے یہ یقین دلایا سب نے آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا اور خاموشی یا خاموش معاونت سے اسرائیل کے اقدامات کو ایک راہ دی جاتی رہی۔اب اس آگ کے شعلے ایسے عرب ملکوں کے دامن کی جانب بھی لپکنے لگے جو بین الاقوامی سسٹم کے احترام میں اسرائیل کے ساتھ خوش گوار تعلقات بھی رکھتے ہیں اور امن کی کوششوں کے لئے سہولت کاری بھی کرتے ہیں۔قطر ان ملکوں میں سرفہرست ہے جو امریکہ اور طالبان کے درمیان سہولت کاری بھی کرتا ہے اور اسرائیل اور حماس کے درمیان بھی معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ایسے میں قطر کی سرزمین پر حماس کی قیادت کو نشانہ بنانا عرب دنیا کے لئے اچنبھے کا باعث تھا شاید اکثر کو یقین ہی نہیں تھا کہ غزہ کے قتل عام میں مصروف اسرائیل کبھی ان کی جانب بھی میلی آنکھ سے دیکھے گا۔اس سے پہلے مسلم حکمران غزہ کا تماشا دیکھتے رہے۔وہ رقص بسمل سے لطف اندوز ہوتے رہے۔غزہ عہد حاضر کی سب سے بڑی قتل گاہ بن چکا ہے۔غزہ کی وزارت صحت کے مطابق سات اکتوبر 2023 سے اب تک 65 ہزار افراد جن میں بڑی تعداد میں بچے ہیں شہید ہو چکے ہے۔ہزاروں لوگ بے خانماں ہو کر نقل مکانی کر چکے ہیں۔چہار سو ملبے کے ڈھیر ہیں جہاں کبھی پھول کھلتے اب وہاں دھول اُڑتی ہے۔ایک سو پچاس مقامات کو بمباری سے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہے۔یونیسف کے مطابق غزہ میں دس ہزار بچے غذائی قلت کا شکار ہیں۔ایک سروے میں کہا گیا کہ غزہ میں ہر آٹھ میں سے ایک بچہ غذائی قلت کا سامنا کر رہا ہے۔ڈیڑھ لاکھ افراد غزہ چھوڑ کو جنوب کی جانب نقل مکانی کر چکے ہیں۔غزہ کی اس صورت حال پر فیصلہ سازی پر حاوی دنیا خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔اسرائیل غزہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہے اور مسلم حکمرانوں کو یہ محاصرہ توڑنے کی ہمت نہیں

> قطر میں امریکی ائر بیسز موجود ہیں۔قطر کے دفاع کا امریکہ ضامن ہے مگر صدر ٹرمپ بہت بھولپن کے ساتھ کہتے ہوئے پائے گئے کہ اسرائیل نے قطر پر حملے سے پہلے اعتماد میں نہیں لیا۔یہ کیسے ممکن ہے کہ جس ملک میں امریکہ کے تزویراتی اثاثے مادی اور انسانی شکل میں موجود ہوں اس پر حملہ کرنے سے پہلے اسرائیل امریکہ کی رضامندی نہ لے۔کچھ ایسے ہی بھولپن کا مظاہرہ قطر کے وزیر اعظم نے یہ کہتے ہوئے کیا کہ ہمیں اسرائیل نے دھوکا دیا۔

Smoke rises from an explosion in Doha following an Israeli strike
AP

اسرائیل نے عرب حکمرانوں کو ہمیشہ یہ باور کرایا کہ ان کی جنگ تو دہشت گردوں اور اسرائیل مخالف دہشت گردوں کے خلاف ہے عرب حکمرانوں سے نہیں ۔پھر یہ نقطہ ایک دائرہ بنا اور کہا گیا ہماری جنگ صدام اور حافظ الاسد جیسے اسرائیل مخالف عربوں سے ہے ۔پھر سنی دنیا کو کہا گیا کہ ہماری جنگ شیعہ ایران سے ہے ۔جب جب اسرائیل نے یہ یقین دلایا سب نے آنکھیں بند کر کے یقین کرلیا اور خاموشی یا خاموش معاونت سے اسرائیل کے اقدامات کو ایک راہ دی جاتی رہی

ہوسکی ۔حد تو یہ کہ مسلمان حکمرانوں نے اپنی رائے عامہ کو اہل غزہ کی زبانی کلامی حمایت سے بھی روک دیا۔اس کی وجہ یہ خوف ہے اگر مسلم رائے عامہ میں اسرائیل مخالف جذبات بھڑک اُٹھے تو آگے چل کر یہ اپنے حکمرانوں کی اسرائیل نوازی یا اسرائیل پروری کے خلاف نفرت کی لہر میں ڈھل سکتے ہیں ۔اس لئے مسلم معاشروں میں جذبات اور احساسات کو ایک حد میں رکھنے میں سب کی بقا ہے ۔مغربی ملکوں میں غزہ کے قتل عام پر احتجاج کی آزادی تھی مگر مسلمان معاشروں میں فلسطین کا جھنڈا لہرانا بھی جرم بنا دیا گیا تھا۔مسلمان حکمرانوں کی حساسیت کا یہی لٹمس ٹیسٹ تھا کہ وہ اسرائیل کا ہاتھ روکنے یا توڑنے کے لئے کس حدتک جا سکتے ہیں ۔ایسے میں قطر کے اقتدار اعلیٰ کو اسرائیل نے چیلنج کیا تو خیال تھا کہ مسلم حکمران جب سر جوڑ کر بیٹھیں گے تو کوئی انقلابی فیصلے کر کے الوداع ہوں گے مگر ہمیشہ کی طرح یہ خواہش بھی ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ“ کے انجام سے دو چار ہوگئی ۔مسلم حکمرانوں نے کوئی ٹھوس قدم اُٹھایا نہ ہی اسرائیل کو کوئی مسکت جواب دینے کی حکمت عملی اختیار کی گئی ۔لفظی مذمت سے کام چلا لیا گیا اور یوں یہ اجلاس بھی نشتند گفتند و برخاستند کا عملی نمونہ قرار پایا۔نیٹو طرز پر مسلم اتحاد کی باتیں بھی زیر گردش رہیں مگر نتیجہ صفر۔ماضی میں چھتیس ملکوں کی فوج اور ایک عدد کمانڈر انچیف صاحب کی سرپرستی میں قائم ہوئی تھی ۔اس فوج کا غزہ میں کوئی سراغ نہ ملا ۔حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اسرائیل کا سرپرست ہے ۔مسلم دنیا میں اعلانیہ اور غیر اعلانیہ امریکی اڈے ہیں ۔جہاں باضابطہ اڈے نہیں وہاں بھی دفاعی تعاون یا دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مضبوط اتحاد قائم ہیں تو ایسے میں مسلم دنیا امریکہ کے راج دلارے اور دنیا کے واحد سٹریٹیجک شراکت دار اسرائیل کے خلاف کوئی ٹھوس قدم کیونکر اُٹھا سکتی ہے؟ پہلے اس زنجیر کا کچھ کرنا ہوگا پھر قدم بڑھائے جا سکتے ہیں ۔اس اجلاس پر کسی دل جلے کا یہ تبصرہ خوب رہا کہ کھودا پہاڑ نکلی مذمت ۔

مغربی ملکوں میں غزہ کے قتل عام پر احتجاج کی آزادی تھی مگر مسلمان معاشروں میں فلسطین کا جھنڈا لہرانا بھی جرم بنا دیا گیا تھا۔مسلمان حکمرانوں کی حساسیت کا یہی لٹمس ٹیسٹ تھا کہ وہ اسرائیل کا ہاتھ روکنے یا توڑنے کے لئے کس حدتک جا سکتے ہیں ۔ایسے میں قطر کے اقتدار اعلیٰ کو اسرائیل نے چیلنج کیا تو خیال تھا کہ مسلم حکمران جب سر جوڑ کر بیٹھیں گے تو کوئی انقلابی فیصلے کر کے الوداع ہوں گے مگر ہمیشہ کی طرح یہ خواہش بھی ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ“ کے انجام سے دو چار ہوگئی

جناب سید عارف بہار آزاد کشمیر کے معروف صحافی دانشور اور مصنف ہیں ۔کئی پاکستانی اخبارات اور عالمی شہرت یافتہ جرائد میں لکھتے ہیں ۔تحریک آزادی کشمیر کی ترجمانی کا الحمد للہ پورا حق ادا کر رہے ہیں ۔کشمیر الیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں

کشمیر کی تاریخی خودمختاری اور جدوجہد آزادی!!!

1254 میں کشمیریوں نے منگولوں کے خلاف بغاوت کر دی، جو منگولوں نے کچل دی

تیرھویں صدی عیسوی میں مسلمان تاجر، سوداگر اور مبلغین کشمیر میں وارد ہوئے

چودھویں صدی عیسوی میں مسلم فاتحین کشمیر میں داخل ہوگئے

سلطان شہاب الدین نے اپنی فتوحات سے کشمیر کو ایک طاقتور سلطنت کی شکل دے دی

سلطان زین العابدین نے ملک بھر میں صنعت و حرفت کو فروغ دیا اور مذہبی آزادی اور رواداری کی تعلیمات کو عام کیا

1846 میں انگریزوں نے یہ خطہ ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کو 75 لاکھ نانک شاہی سکوں میں فروخت کر ڈالا

78 سال ہونے کو آئے ہیں اور حق خودارادیت کا مقدمہ اقوام متحدہ میں لٹکا ہوا ہے

شہزاد منیر احمد

خطہ کشمیر کی منفرد اور مکمل خودمختار ریاست کی حیثیت، شکل و صورت اور جغرافیہ کی شہادت تاریخ کے اوراق میں زندہ امانت کے روپ میں موجود ہے۔ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جو صدیوں سے آباد اور قائم ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بلند و بالا اور خوبصورت پہاڑوں میں گھرے ہوئے اس خطۂ زمین پر مقامی باشندوں کی اپنی اپنی علاقائی حکومتیں تھیں، جو بعد میں ایک ہی مرکزی حکومت کی صورت اختیار کر گئیں۔ ریاست کشمیر اپنی سیاسی شناخت میں اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ وہ پہاڑوں سے نکل کر پنجاب اور سندھ تک اپنی حیثیت منوانے لگی تھی۔ جب منگولوں کی عالم گیر سفاکیت اور یلغاریں ریاستوں کو روندتی اور عالمی امن کو پامال کرتی بڑھتی چلی جا رہی تھیں، تو منگولوں نے اس خوبصورت خطے کا بھی رخ کیا۔ 1235 میں وہ بارہ مولا سے ریاست کشمیر میں داخل ہو گئے اور ایک عرصے تک انہوں نے وہاں اپنا انتظامی گورنر مقرر کر کے حکمرانی کی۔

1241 میں منگولوں نے سندھ پر حملہ کیا اور لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ 1251 میں منگ کے خان نے اپنے جرنیل بدھ لیڈر اتوچی کو کشمیر کا گورنر نامزد کیا، تو سری نگر کے بادشاہ نے اتوچی کو قتل کر دیا (طاقت اور فیصلہ سازی میں شراکت برداشت نہیں ہوا کرتی)۔ سالی نامی منگول جرنیل نے سری نگر کے بادشاہ کو قتل کر دیا اور اس قضیے کو ختم کر ڈالا۔ پھر کئی سالوں تک خطہ کشمیر منگولوں کے تابع رہا۔ 1254 میں کشمیریوں نے منگولوں کے خلاف بغاوت کر دی، جو منگولوں نے کچل دی۔ ریاست کشمیر میں منگولوں کی حکومت ہندو راج کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔ حسن جمال رہتا ہے ہوس پرستوں کے نشانے پر اور حسن وطن و جغرافیہ توپ و تفنگ کے تابع۔ تاریخی اعتبار سے تیرھویں صدی عیسوی میں مسلمان تاجر، سوداگر اور مبلغین کشمیر میں وارد ہوئے۔ وہ کامیاب غیر سرکاری سفیر بھی ثابت ہوئے۔ چودھویں صدی عیسوی میں مسلم فاتحین کشمیر میں داخل ہوگئے۔ جب دین اسلام پھیلا، تو نور ہدایت کی روشن کرنوں نے کشمیر کے بے دین علاقے کو بھی منور کر دیا۔ لوگ جوق در جوق تعلیمات قرآن اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیضیاب ہوتے گئے۔ خطے میں اسلام کی جڑیں عوام میں گہری ہو چکی تھیں۔ شاہ میری خاندان کا دور کشمیر کے امن و استحکام کا زمانہ تھا۔ سلطان شہاب الدین نے اپنی فتوحات سے کشمیر کو ایک طاقتور سلطنت کی شکل دے دی۔ اسی خاندان کے سلطان زین العابدین نے ملک بھر میں صنعت و حرفت کو فروغ دیا اور مذہبی آزادی اور رواداری کی تعلیمات کو عام کیا۔ سلطان نے ملک سے جرائم پیشہ عناصر کا قلع قمع کر دیا۔ 1587 کے بعد مغل بادشاہ اکبر اور دیگر مغل حکمرانوں نے کشمیر کے قدرتی حسن کے مطابق یہاں باغات لگوائے اور کشمیر کو جنت نظیر بنا دیا۔

سولھویں اور سترھویں صدی میں برصغیر دنیا بھر کے ممالک میں ہمہ گیر پیداواری صلاحیت کے حوالے سے امیر ترین خطہ تھا۔ دنیا بھر کے سوداگروں نے ہندوستان سے تجارتی روابط بڑھانا چاہا، مگر کامیابی صرف برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک معمولی کلرک کلائیو (بعد میں لارڈ کلائیو بنا) نے اپنی سازشی چالوں، رشوت، دھونس، دھاندلی، لالچ اور طوائفوں کے تعاون سے بنگال کے ٹیپو سلطان کو میر جعفر و صادق غداروں کی مدد سے شکست دے کر ہندوستان میں بڑی تیزی سے حکومتی اداروں پر قابض ہوگیا۔ 1857 میں بغاوت

> 1752 میں مغلوں کے زوال کے بعد افغان حکمرانوں اور گورنروں کے 67 سالہ ظالمانہ نظام حکومت اور بعد ازاں سکھا شاہی کے مذہبی تعصب اور سیاسی استبداد نے کشمیریوں کو پامال کر دیا۔ ایران کے حکمران نادر شاہ افشار نے دہلی پر حملہ کر کے اس کو تاراج کیا اور واپسی پر کشمیر کو راجہ رنجیت سنگھ کو اس کی خدمات کے عوض بطور عطیہ دے دیا۔ 1820 میں ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کو جموں کا علاقہ بطور جاگیر بخش دیا گیا۔ اس طرح کی متعصبانہ اور آمرانہ شخصی نظام حکمرانی میں کشمیر میں اسلام کے پھیلاؤ کو دھچکا پہنچا۔

ہوئی، تو برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی جگہ حکومت برطانیہ نے اقتدار سنبھالا۔ ہندوستان کے چالاک ہندوؤں نے 1857 کی بغاوت کا سارا ملبہ مسلمانوں پر ڈال کر خود حکومت برطانیہ کے حمایتی بن گئے۔

1752 میں مغلوں کے زوال کے بعد افغان حکمرانوں اور گورنروں کے 67 سالہ ظالمانہ نظام حکومت اور بعد ازاں سکھا شاہی کے مذہبی تعصب اور سیاسی استبداد نے کشمیریوں کو پامال کر دیا۔ ایران کے حکمران نادر شاہ افشار نے دہلی پر حملہ کر کے اس کو تاراج کیا اور واپسی پر کشمیر کو راجہ رنجیت سنگھ کو اس کی خدمات کے عوض بطور عطیہ دے دیا۔ 1820 میں ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کو جموں کا علاقہ بطور جاگیر بخش دیا گیا۔ اس طرح کی متعصبانہ اور آمرانہ شخصی نظام حکمرانی میں کشمیر میں اسلام کے پھیلاؤ کو دھچکا پہنچا۔

1846 میں انگریزوں نے یہ خطہ ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کو 75 لاکھ نانک شاہی سکوں میں فروخت کر ڈالا۔ جتنے بیرونی ممالک کے حملہ آور غاصب حکمران اپنی کشور کشائی کی خاطر ہندوستان کو فتح کر کے مسلط ہوئے، انہوں نے ہندوستان کے عوام کو غلام، اس کے وسائل اور مال و دولت کو مال غنیمت سمجھ کر ہی استعمال کیا۔ اس کی زمینوں اور وسائل کو اپنے من پسند لوگوں کو رشوت، انعام، تحفہ، سوغات اور بخشش کے طور پر بانٹا۔ انگریزوں نے اسے 75 لاکھ نانک شاہی سکوں ہی میں بیچ کر شہرت پائی۔

ریاست کشمیر اور حق خود ارادیت

ہندوستان پر برطانوی غاصبانہ قبضے سے آزاد ہونے کی جدو جہد آزادی، ہندوستان میں موجود دونوں بڑی قومیں، ہندو اور مسلمان اپنی اپنی بساط کے مطابق جاری رکھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی سیاسی جماعت، آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت محمد علی جناح کر رہے تھے۔ جب کہ آل انڈیا کانگریس کی نمائندگی موہن داس کرم چند گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو کرتے تھے۔ برسوں کی جدو جہد اور طرح طرح کے مصائب و مشکلات سے گزر کر آخر کار ہندوستان کو آزادی دینے کی پیش کش کر دی گئی۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ اپنی شکست کو بھانپتے ہوئے آزادی طلب جماعتوں سے اس معاہدے پر پہنچا کہ جنگ عظیم

> برطانیہ کی کنزرویٹو پارٹی کے وزیر اعظم چرچل نے فیصلہ کیا کہ 3 جون 1948 کو ہندوستان اور پاکستان کو آزادی دے دی جائے گی۔ ساتھ ہی ہندوستان کی پرنسلی اسٹیٹس (خود مختار ریاستوں) کو بھی یہ حق ہوگا کہ وہ اپنی مرضی سے دونوں نئی آزاد ریاستوں، ہندوستان اور پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر سکیں گی۔ بعد میں لیبر پارٹی کی حکومت نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کو واپس لندن بلا لیا اور ان کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو نیا وائسرائے ہند مقرر کر دیا، جس نے ہندوستان کی تقسیم کا اپنا فارمولہ اور تاریخ مقرر کی

دوم ختم ہونے پر ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی۔ جنگ عظیم دوم 1945 میں ختم ہوگئی، تو سب سے پہلے برطانیہ کی کنزرویٹو پارٹی کے وزیر اعظم چرچل نے فیصلہ کیا کہ 3 جون 1948 کو ہندوستان اور پاکستان کو آزادی دے دی جائے گی۔ ساتھ ہی ہندوستان کی پرنسلی اسٹیٹس (خود مختار ریاستوں) کو بھی یہ حق ہو گا کہ وہ اپنی مرضی سے دونوں نئی آزاد ریاستوں، ہندوستان اور پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر سکیں گی۔ بعد میں لیبر پارٹی کی حکومت نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کو واپس لندن بلا لیا اور ان کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو نیا وائسرائے ہند مقرر کر دیا، جس نے ہندوستان کی تقسیم کا اپنا فارمولہ اور تاریخ مقرر کی۔ ہندوستان کی آزادی کا اعلان برطانوی وزیر اعظم کلیمنٹ رچرڈ ایٹلی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا تھا۔

برطانوی حکومت نے 3 جون 1947 کو ایک منصوبہ پیش کیا، جس میں درج ذیل اصول شامل تھے: ہندوستان کی تقسیم کا اصول برطانوی حکومت نے تسلیم کر لیا۔ دونوں ممالک کو خود مختاری اور خود ارادیت دی جائے گی۔ دونوں ممالک اپنا آئین خود بنا سکتے ہیں۔ نیم و خود مختار ریاستوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ یا تو ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہو سکیں، بغیر کسی آزاد رہنے کے اختیار کے، جو کہ دو اہم عوامل پر مبنی تھا: جغرافیائی قربت اور عوام کی خواہش۔ آزادی کے اس اعلان میں ذرا (جغرافیائی مطابقت) پر غور کر لینے سے خود مختار کا سارا بھرم کھل جاتا ہے، جو اس لفظ کی قباحتوں اور پیچیدگیوں میں کشمیریوں کی قسمت کو بھنور کی طرح لپیٹ دیا گیا ہے۔ یہ جغرافیائی مطابقت وہ مطابقت ہے جو برطانیہ کو منظور تھی۔ یہی وجہ ہے کہ 78 سال ہونے کو آئے ہیں (آغاز 1948 سے) اور حق خود ارادیت کا مقدمہ اقوام متحدہ میں لٹکا ہوا ہے۔

کشمیر کو حق خود ارادیت کیوں نہیں دیا جاتا

عدل و انصاف، قانون اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ کشمیریوں کو حق خود ارادیت کی خاطر جانیں قربان کرنے اور ہندوستانی بربریت کا شکار ہونے کی بجائے ان کے مقدمے کا فیصلہ جلد از جلد کیا جائے۔ ایسا مگر ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ کیونکہ 1947 میں کشمیر کی Tragedy (سانحہ) کا اصل کردار تب کے ہندوستان میں گورنر جنرل تھے، جو لارڈ ماؤنٹ بیٹن تھے۔ مشہور برطانوی سوانح نگار Philip Kyle Deglar (فلپ کیلے ڈیگلر) اپنی کتاب "Mountbatten" میں لکھتے ہیں: "اگر ماؤنٹ بیٹن نے اپنے وزیر اعظم کے ارادے کی گہرائی اور جذبے کو سمجھ لیا ہوتا، تو وہ معاملات کے ساتھ مختلف طریقے سے پیش آتا۔ جب کہ صورتحال یہ تھی کہ اس کے ہتھکنڈوں میں حکومت ہند کے ان عناصر کو لامحدود امداد پہنچانا مقصود تھا، جو یہ چاہتے تھے کہ آنے والے برسوں میں کشمیر کو اپنے پاس ہی رکھا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے زور دیا تھا کہ ہندوستان کی فوجی امداد سے پہلے کشمیر کو ہندوستان سے الحاق کر لینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے وی پی مینن کو مہاراجا کے نام یہ الٹی میٹم دے کر واپس بھیجا کہ الحاق کرو اور ریسکیو کی کارروائیاں چند گھنٹوں میں ہوں گی۔ ہچکچاہٹ کی صورت میں سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔

وی پی مینن کون تھا

وی پی مینن کا نام ویپلا پنگونی مینن تھا۔ وہ انڈین سول سرونٹ تھا۔ وہ ہندوستان میں تین برطانوی وائسراؤں کے ساتھ بطور سیکرٹری اور سیاسی ایڈوائزر کام کر چکا تھا۔ مذکورہ بالا آزادی کا ڈرافٹ اسی نے تیار کیا تھا، جس میں اس نے چانکیہ فلسفہ سیاست سے اخذ کردہ شریر و غلیظ الفاظ ’’Dominion‘‘ اور ’’Geographical contiguity‘‘ شامل کیے تھے۔ وی پی مینن اس وقت پٹیل (جو کہ ہندوستان میں نہرو عبوری حکومت میں نائب وزیر اعظم، وزیر داخلہ اور وزارت اطلاعات کا بھی منسٹر تھا) کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بد دیانتی پر مبنی مذکورہ جلد بازی پر ہندوستان میں کینیڈین سفیر ایسکارٹ ریڈ نے بھی یہ کہا کہ یہ سمجھنا بڑا مشکل ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے اس فوری الحاق کرنے پر کیوں ضد کی، جب کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی یہ اس کا کام تھا۔ مصنف فلپ ڈیگلر کا کہنا ہے کہ وی پی مینن کو خوف زدہ مہاراجا کے دستخط لینے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ اس پلاننگ کا آغاز 25 اکتوبر 1947 کو ہوا۔ دوسرے دن گرین سگنل دے دیا گیا۔ مینن 26 اکتوبر کی شام تک واپس دہلی پہنچا، اور حکومت ہند کی الحاق منظور کرنے کی رسمی کارروائی بھی پھرتی سے انجام پائی۔ جب ایک بار مداخلت کا فیصلہ ہو گیا، ماؤنٹ بیٹن اس کو موثر بنانے کے لیے ذاتی حد تک ملوث ہو گیا۔ اب اس نے گورنر جنرل کا اپنا پیرہن اتار دیا اور سپریم کمانڈر کا جامہ پہن لیا۔ 27 اکتوبر 1947 کو صبح سویرے ہندوستانی فوجیں فضا میں تھیں۔ چند گھنٹوں میں سری نگر ایئر پورٹ پر قبضہ ہو گیا۔ بے شک یہ کارروائی اس قدر خوبی سے انجام پائی کہ مشاہدین یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ ایسا کام آخری لمحے منظم نہیں کیا جا سکتا۔ یقین ہے کہ یہ منصوبہ بہت پہلے تیار کیا جا چکا تھا۔ مصنف فلپ ڈیگلر، برطانوی ایئر مارشل آرتھر کوننگھم (Arthur Coningham) کی ڈائری کا حوالہ دیتے لکھتے ہیں کہ پاکستان کے پہلے کمانڈر ان چیف جنرل فرینک مسروے نے راولپنڈی سے دہلی کے دو روزہ دورے کے درمیان اس بات کی تصدیق کرتے اپنی حیرت کا اظہار کیا کہ ماؤنٹ بیٹن دہلی سے کشمیر میں ملٹری آپریشن کی ڈائریکشن دے رہا تھا۔ پاکستانی ذرائع کا بھی دعویٰ

ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کو سو سے زائد جہازوں پر فوجوں اور اسلحہ بارود چڑھاتے دیکھا گیا۔

تحریک خود ارادیت کشمیر کی تاریخ کو بغور پڑھا جائے، تو حقیقت نمایاں لفظوں میں سامنے آتی ہے کہ: اگر وائسرائے لارڈ ویول اور وزیر اعظم چرچل کے تقسیم ہندوستان پر عمل ہوتا، تو دونوں ممالک سے آبادی کے ہجرتی عمل میں قتل و غارتگری بہت کم ہوتی۔ اگر پہلے UNCIP کے چیئرمین، یوگوسلاویہ کے قانون دان جوزف کاربیل کا تجویز کردہ فارمولے پر عمل ہو جاتا، تو کشمیر کا یہ مسئلہ کب کا بہترین طریقے سے اچھے انجام کو پہنچتا۔ اگر سر اوون ڈکسن نے پوری ریاست کو چھوڑ کر صرف وادی کشمیر میں رائے شماری کرانے کی تجویز پیش کی تھی۔ اگر اسے ہی ہندوستان تسلیم کر لیتا، تو معاملہ خوش اسلوبی سے حل ہو جاتا۔ چونکہ مذکورہ بالا ساری تجاویز پاکستان نے تو خوش دلی اور سنجیدگی سے مانیں، مگر ہندوستان ’’میں نہ مانوں‘‘ پر قائم رہا۔ اس کی وجہ صرف برطانوی حکومت اور دیگر پاکستان مخالف قوتوں کی پشت پناہی رہی ہے۔ کشمیری تحریک حق خود ارادیت کی قیادت سے مجھے اتنا ضرور عرض کرنا ہے کہ اپنی تحریک کی شب و روز جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کو رائیگاں نہ جانے دینا۔ باوجود اس کے کہ ابھی تک کامیابی نصیب نہیں ہوئی، ہمت اور حوصلہ نہ ہارنا اور نہ مایوس ہونا۔ اس پہلو پر انتہائی صدق دل اور غیر جانبداری سے جائزہ لیں کہ تحریک کے کمزور پہلو کیا کیا ہیں اور ان کا موثر علاج کیا ہے۔

یہ یاد رکھیں کہ دنیا طاقتوروں کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے، بے وسیلہ جماعت کے ساتھ نہیں۔ تحریک حق خود ارادیت میں کامیابی کے سارے عناصر موجود ہیں۔ اگر ریاست کشمیر کسی دوسری حریف ریاست سے جنگ لڑ رہی ہوتی، تو نتیجہ اور ہوتا۔ یہ تو کشمیری عوام پر انہی کی طاقتور حکومت جبر و ستم سے انہیں غلامی و محکومی کی زندگی قبول کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ ساتھ بدقسمتی یہ ہے کہ مسلمان ریاستوں میں نہ وہ قوت عمل موجود ہے اور نہ ہی وہ عزم و حوصلہ جو کسی بھی انقلاب کے لیے مددگار ثابت ہو سکے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، جیسے یہود و نصاریٰ آپس میں دوست ہیں۔ جو لوگ اللہ کے احکامات اور تعلیمات رسول کی پرواہ نہیں کرتے اور یہود و نصاریٰ کو دوست بنا رہے ہیں، ان سے مدد و تعاون کی امید نہ رکھیں۔ اور سب سے بڑی مؤدبانہ گزارش اور اپیل ہے کہ، جیسا تیسا بھی ہو مقبوضہ کشمیر کی قیادت کو قائل کر کے اپنے ساتھ ضرور ملائیں اور آگے بڑھیں۔ اللہ پر توکل کریں، اپنی جدوجہد پر امید اور یقین کی تعبیر پانے پر ایمان رکھیں۔ ہم کشمیری یقیناً حق و باطل کی جنگ لڑ رہے ہیں، اس لیے اللہ کی ساری نصرتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ نصر من اللہ و فتح قریب۔ انشاء اللہ۔

جناب شہزاد منیر احمد (گروپ کیپٹن ریٹائرڈ) راولپنڈی/اسلام آباد کے معروف ادیب، شاعر، مصنف اور کالم نگار ہیں، کشمیر الیوم کے لیے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں

ممتاز علمی و روحانی شخصیت باباچلاسیؒ کی رحلت : عظیم سانحہ

جاراللہ (اسٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان گلگت)

سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے رہے، ان کے لیے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔(سورۃ یونس، آیات 62-64) جریر نے ہشام بن عروہ سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے چھین کر نہیں اٹھائے گا، بلکہ علماء کو اٹھا کر علم کو لے جائے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ کسی عالم کو باقی نہ چھوڑے گا، تو لوگ جاہلوں کو اپنا رہنما بنا لیں گے۔ ان سے دینی سوالات کیے جائیں گے، تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔(صحیح مسلم، کتاب العلم، حدیث 6796)

جیسے گرا ہو کوہ گراں مجھ پر ٹوٹ کر
کوئی گیا ہے آج یوں دنیا سے روٹھ کر
تھا آبروئے بزم تو ہی، تیرے بعد اب،
ٹوٹے ہیں جام اور ہوئے میخوار دربدر
کیسے بیان کیفیتِ غم کروں ضیاؔ، لبریز ہے مرا الم و درد سے جگر

میرے مشفق والد، مولانا عبدالمنانؒ کی جدائی کے صدمے کو ابھی ایک سال ہی گزرا تھا کہ ان کے دیرینہ مرشد، ہمارے مربی،

> باباچلاسیؒ بیسویں صدی کے عظیم مجدد تھے۔ انہوں نے اپنی زبان، تحریر اور قلم کے ذریعے خلق خدا کو توحید باری تعالیٰ، وجود باری تعالیٰ، مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بعث بعد الموت، اور احترام انسانیت کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ انہوں نے حل طلب موضوعات پر نظم ونثر میں بے شمار کتب تصنیف کیں، جن میں معدن التوحید، انفاس نفیسہ، التقریر العتیق عند البیت العتیق، نجاۃ الاخلاف فی اتباع الاسلاف، کلیات چلاسی، گنجینہ معرفت، اور سفینۃ الامان فی امواج الطوفان شامل ہیں۔ ان کی آخری تصنیف نصر النصیر فی تیسیر التفسیر ہے، جو قرآن کریم کی سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی شرح ہے۔

گلگت بلتستان کے گوہر نایاب اور عظیم علمی و روحانی شخصیت، الشیخ غلام النصیر المعروف باباچلاسیؒ ہمیں سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی کے حضور مقام علیین میں جا پہنچے۔ انہوں نے پاکستان، افغانستان، ایران، ترکی اور وسط ایشیا کے ہزاروں عقیدت مندوں اور علمائے کرام کی رہنمائی کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باباچلاسیؒ بیسویں صدی کے عظیم مجدد تھے۔ انہوں نے اپنی زبان، تحریر اور قلم کے ذریعے خلق خدا کو توحید باری تعالیٰ، وجود باری تعالیٰ، مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بعث بعد الموت، اور احترام انسانیت کی حقیقت سے روشناس کرایا۔ انہوں نے حل طلب موضوعات پر نظم ونثر میں بے شمار کتب تصنیف کیں، جن میں معدن التوحید، انفاس نفیسہ، التقریر العتیق عند البیت العتیق، نجاۃ الاخلاف فی اتباع الاسلاف، کلیات چلاسی، گنجینہ معرفت، اور سفینۃ الامان فی امواج الطوفان شامل ہیں۔ ان کی آخری تصنیف نصر النصیر فی تیسیر التفسیر ہے، جو قرآن کریم کی سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی شرح ہے۔ ایک اصلاحی مجلس کے دوران انہوں نے فرمایا: اگر زندگی نے مہلت دی تو قرآن حکیم کی مکمل تفسیر لکھوں گا، اور اگر مہلت نہ ملی تو سورۃ البقرہ کی شرح سے کتاب اللہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

میرے والد محترم، مولانا عبدالمنانؒ، باباچلاسیؒ کے اولین رفقاء میں تھے۔ ان کی پہلی ملاقات 1959ء میں ہوئی، اور گزشتہ برس اپنی وفات تک 65 برس تک وہ باباچلاسیؒ سے منسلک رہے۔ 1960ء کی دہائی میں والد محترم اور ان کے رفقاء، خصوصاً والد کے ماموں زاد بھائی اور سابق ڈپٹی کمشنر محمد اسماعیل خانؒ نے باباچلاسیؒ کو گلگت بلتستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرایا اور ان کے اصلاحی بیانات کا اہتمام کیا۔ باباچلاسیؒ کی نورانی و پرکشش شخصیت اور شیریں کلام سے عوام الناس نے گہرا

اثر لیا۔ عقائد کی اصلاح ہوئی، ناحق قتل، شرک، بدعات، رسوم و رواج اور جاہلیت کے اطوار بدلے، اور اصلاح احوال کی لہر پیدا ہوئی۔ 1980ء کی دہائی میں باباچلاسیؒ نے ایبٹ آباد میں مستقل سکونت اختیار کی اور اپنے گھر کو بیت العنکبوت (مکڑے کا گھر) سے موسوم کیا۔ تب سے وفات تک، حج اور عمرہ کے علاوہ، وہ مستقل گوشہ نشین رہے۔ لیکن ملک بھر اور دیار غیر سے حق کے متلاشی اور عقیدت مندوں کا سلسلہ ان کی زیارت کے لیے امڈتا رہا اور ان کی روحانی محفل میں شریک ہو کر تزکیہ نفس کی دولت سے اپنے ایمان و یقین کو معطر کرتا رہا۔ گوشہ نشینی کے حوالے سے باباچلاسیؒ نے فرمایا:

بزرگی نیست ایں خلوت نشینی،
سیاہ رویم زہ خلقم رو بہ پوشم

یعنی ۔۔۔ خلوت نشینی کوئی بزرگی کی علامت نہیں، میں سیاہ رو ہوں، خلق خدا سے چہرہ چھپاتا ہوں

انہوں نے پوری زندگی توحید باری تعالیٰ کا درس دیا۔ معرفت و عشق الٰہی سے مزین شینا، فارسی، عربی، اردو اور پشتو زبانوں میں درجنوں کتابیں نظم و نثر میں تحریر کیں۔ وجود باری تعالیٰ کے موضوع پر ان کی سرپرستی میں انگریزی زبان میں ایک کتاب ALLAH IS ALLAH تحریر کی گئی۔ انہوں نے ہزاروں افراد کی اصلاح کی، انہیں اپنے خالق سے جوڑا، علماء اور اہل علم شخصیات کی رہنمائی کی، اور پاکیزہ و بامقصد زندگی گزارنے کے بعد حیات جاودانی کی طرف روانہ ہوئے۔ رب کریم ان کی عظیم دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں جنت الفردوس میں صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ باباچلاسیؒ امت مسلمہ کی زبوں حالی پر بہت رنجیدہ تھے۔ وہ کشمیر، فلسطین اور دنیا بھر کے مظلوموں کے لیے فکر مند رہتے، ان کی آزادی کے لیے دعائیں کرتے، اور اسے رب کی ناراضگی کا سبب قرار دیتے تھے۔ وہ پاکستان اور عالم اسلام کی کامیابی کا راز قرآن وسنت کے نظام کے نفاذ میں دیکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ اتحاد، عدل و انصاف اور یکجہتی کی تلقین کرتے اور فرقہ بندی، گروہ بندی اور فتنہ و فساد کے سخت ناقد تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مرشد و مربی، استاد و سرپرست، ولی کامل الشیخ غلام النصیر المعروف باباچلاسیؒ کی دینی، علمی و سماجی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں جنت الفردوس میں صالحین کے ساتھ اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

معروف عالم دین مولانا منظور مینگل صاحب سمیت بے شمار علمائے کرام نے باباچلاسیؒ کی حیات، خدمات، اور علمی و روحانی مقام و مرتبہ پر مفصل بیان کیا۔ فی الحقیقت رب کریم نے باباچلاسیؒ کو اس تعارف سے کہیں بڑا علمی و روحانی مرتبہ عطا کیا تھا۔ وہ اوائل عمری میں ہی تجلیات ربانی سے فیض یاب ہوئے۔ رب کریم کی خاص عنایت سے علوم دینیہ سے سرفراز ہوئے اور زندگی کی آخری گھڑی تک طالبین حق کے دلوں کو عشق الٰہی سے سیراب کیا۔ ان کی رحلت امت مسلمہ کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ آخری زمانے میں علمائے ربانیین اور عارفین کو اٹھایا جاتا ہے۔

میرے والد محترم مولانا عبدالمنانؒ نے، جو تیس سالہ مشاہدے میں باباچلاسیؒ کی رفاقت کا حق ادا کرتے رہے، سینکڑوں علماء، دانشوروں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کو باباچلاسیؒ کا تعارف کرایا، ان کی زیارت کرائی، ان کا عارفانہ کلام سنایا، اور ان کی کتب تقسیم کیں۔ پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اپنی رحلت تک وہ اپنے مرشد کی محفل میں شریک رہے۔ حسن اتفاق دیکھیں کہ گزشتہ سال 23 ستمبر، 18 ربیع الاول کو باباچلاسیؒ نے میرے والد محترم کا جنازہ پڑھایا، اور ٹھیک ایک سال بعد 19 ستمبر، 25 ربیع الاول کو باباچلاسیؒ اس دارفانی سے دارالبقاء کی طرف لوٹ گئے۔ مرشد اور رفیق خاص کی ملاقات،

> انہوں نے پوری زندگی توحید باری تعالیٰ کا درس دیا۔ معرفت و عشق الٰہی سے مزین شینا، فارسی، عربی، اردو اور پشتو زبانوں میں درجنوں کتابیں نظم و نثر میں تحریر کیں۔ وجود باری تعالیٰ کے موضوع پر ان کی سرپرستی میں انگریزی زبان میں ایک کتاب ALLAH IS ALLAH تحریر کی گئی۔ انہوں نے ہزاروں افراد کی اصلاح کی، انہیں اپنے خالق سے جوڑا، علماء اور اہل علم شخصیات کی رہنمائی کی، اور پاکیزہ و بامقصد زندگی گزارنے کے بعد حیات جاودانی کی طرف روانہ ہوئے۔

> میرے والد محترم مولانا عبدالمنانؒ نے، جو تیس سالہ مشاہدے میں باباچلاسیؒ کی رفاقت کا حق ادا کرتے رہے، سینکڑوں علماء، دانشوروں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کو باباچلاسیؒ کا تعارف کرایا، ان کی زیارت کرائی، ان کا عارفانہ کلام سنایا، اور ان کی کتب تقسیم کیں۔ پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اپنی رحلت تک وہ اپنے مرشد کی محفل میں شریک رہے۔ حسن اتفاق دیکھیں کہ گزشتہ سال 23 ستمبر، 18 ربیع الاول کو باباچلاسیؒ نے میرے والد محترم کا جنازہ پڑھایا، اور ٹھیک ایک سال بعد 19 ستمبر، 25 ربیع الاول کو باباچلاسیؒ اس دارفانی سے دارالبقاء کی طرف لوٹ گئے۔

ان شاءاللہ،علیین میں عرش بریں پر رب کریم کی خاص عنایات کے زیر سایہ ہوئی ہوگی۔ اللہ جل جلالہ ہمیں بابا چلاسیؒ کے علمی ورثے سے استفادہ کرنے، ان کے پند و نصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں تمام شیطانی فتنوں سے محفوظ رکھے۔

بابا چلاسیؒ کی اہلیہ محترمہ بی بی صاحبہ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک قرآن وسنت کی اشاعت کے مقدس فریضے میں اپنے خاوند معظم کا مثالی ساتھ دیا۔انہوں نے بابا کے مہمانوں کی شاندار میزبانی کی۔ بابا کی رحلت پر جب میں اپنے ماموں محمد عباس خان اور کرنل محمد ابرار اسماعیل کے ساتھ تعزیت کے لیے گیا،تو بی بی صاحبہ میں مجھے بابا چلاسیؒ کی جھلک نظر آئی۔انہوں نے ہمیں نصیحت کی: بابا صاحب نے اپنا فریضہ بحسن خوبی سرانجام دیا۔ان کی دعوت اللہ سے لو لگانے اور اسی کا ہو جانے کی تھی۔ آپ ان کی کتابیں پڑھیں،توحید کو اپنائیں،تو آپ کا بھی بھلا ہوگا اور بابا کے درجات بھی بلند ہوں گے۔

بی بی صاحبہ نے تلقین کی کہ دنیا فانی ہے،آج بابا چلاسیؒ کی رحلت ہوئی،کل ہماری باری ہے۔صدمے کے اس موقع پر ان کے حوصلے اور رہنمائی نے بہت حوصلہ دیا۔رب کریم بی بی صاحبہ کو بابرکت زندگی عطا فرمائے،ان کے تمام بچوں،ان کے بیٹوں محترم ابوالوقت،ابوالاحسان،ابوالفیض،اور ابوالخیر صاحبان کو صبر جمیل اور بہترین خدمت پر اجر عظیم سے نوازے۔آمین۔بابا چلاسیؒ کی کتاب نجاۃ الاخلاف فی اتباع الاسلاف کی ایک رباعی سے ان کے عشق حقیقی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھلک ملتی ہے۔برکت کے لیے پیش کر رہا ہوں

خدائے پاک ما آن رحم داراست
که رحم او بود عالم نگنجد
برائے ما بہشتے آفرید است
که در دل اندر آنجا غم نگنجد

ہمارا رب وہ رحم رکھتا ہے کہ اس کا رحم سینکڑوں جہانوں میں نہیں سما سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جنت پیدا کی ہے کہ اس میں کوئی دل مغموم نہ ہوگا۔

محمد بے شک از رب رحمتی هست
که اندر اتباعش جنتی هست
بشر را شکر حق امر محال است
محمد مصطفیٰ آن نعمتی هست

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے رحمت ہیں کہ ان کی اتباع میں ہمیں جنت ملتی ہے۔ انسان کے لیے اللہ کا شکر کرنا ناممکن ہے کہ اللہ نے ہمیں وجود محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم نعمت سے نوازا۔

آخر میں، بابا چلاسیؒ کے قریبی رفیق اور برصغیر کے نامور شاعر محمد بشیر خان فوق دہلویؒ کے دو اشعار ان کی توصیف میں پیش کرتا ہوں، اور اس دعا کے ساتھ اجازت مانگتا ہوں کہ آپ بابا چلاسیؒ، میرے والد گرامی قدر، اور تمام مرحومین کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں، اور ہم سب کی دین حق پر استقامت کے لیے رب العالمین سے التجا کریں:

قربان تیرے کوہ دبستان چلاسی
تو چشم حقیقت میں ہے فاران چلاسی
ہر سمت سے آتے ہیں یہاں علم کے جویا
لینے کے لیے دولت عرفان چلاسی

ماسٹر سید نذیر الدین کشمیری تحریک آزادی کشمیر کا ایک عظیم سپوت

اعجاز نازکی

ضلع کپواڑہ کے عظیم فرزند، سید نذیر الدین کشمیری، ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے شب و روز تحریک اسلامی اور تحریک آزادی کشمیر کے لیے وقف کر دیے۔ ان کی وفات نے نہ صرف ان کے خاندان اور رفقاء بلکہ پوری تحریک مزاحمت کے کارکنوں کو عظیم صدمے سے دو چار کر دیا۔ وہ ایک عظیم رہنما، ایک مخلص کارکن اور ایک دین دار انسان تھے جنہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کے راستے میں قربان کر دیا۔ ان کی جدوجہد، قربانیاں اور خدمات کشمیری قوم کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ماسٹر نذیر الدین کشمیری کا تعلق ضلع کپواڑہ کے ایک معروف اور دین دار خاندان سے تھا جو اپنی علمی، ادبی اور دینی روایات کے لیے مشہور تھا۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے علاقے سے حاصل کی اور گریجویشن تک تعلیمی مراحل طے کیے۔ جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر کے درسگاہوں سے انہوں نے روحانی اور فکری تربیت حاصل کی، جس نے ان کے کردار کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ بچپن سے لے کر شعور کی پختگی تک، وہ ہندوستانی سامراج کے ظلم وجبر کا نشانہ بنے لیکن انہوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ ان کی زندگی کے ابتدائی ایام سے ہی ان کا عزم اور جذبہ واضح تھا کہ وہ اپنی قوم کی آزادی کے لیے ایک عظیم کردار ادا کریں گے۔

1980 کی دہائی میں جب تحریک آزادی کشمیر نے نئی سمت اختیار کی، ماسٹر سید نذیر الدین نے اس تحریک کو پروان چڑھانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ وہ تحریک اسلامی کے ابتدائی رہنماؤں میں سے ایک تھے اور انہوں نے اپنی زندگی کو اس عظیم مقصد کے لیے وقف کر دیا۔ انہوں نے اپنے علاقے کے نوجوانوں میں تحریکی شعور بیدار کرنے کی ذمہ داری سنبھالی اور اسے احسن طریقے سے نبھایا۔ وہ خود ایک تحریک کی حیثیت رکھتے تھے، جن کی آواز اور عمل نے ہزاروں دلوں کو متاثر کیا۔

1989 میں جب ضلع کپواڑہ ہندوستانی فوج کے ظلم وجبر کی زد میں آیا، تو ہر گلی اور کوچہ ظلم کی داستان بن گیا۔ اس دوران ماسٹر نذیر احمد نے اللہ ٹائیگرز تنظیم جوائن کی اور اسی پلیٹ فارم سے جدوجہد کا آغاز کیا۔ بعد میں اللہ ٹائیگرس نامی تنظیم حزب المجاہدین میں ضم ہوگئی۔ انہوں نے صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہر مشکل حالات میں اپنے ایمان کو مضبوط رکھا۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ" اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی"، ماسٹر سید نذیر الدین کشمیری نے اس مقولے کو سچ ثابت کیا۔۔۔۔ جب

حالات ناقابل برداشت ہو گئے تو وہ ہجرت پر مجبور ہوئے، لیکن اس ہجرت نے ان کے عزم کو مزید پختہ کیا۔

سید نذیر الدین بلند حوصلے، خیر خواہی اور ایثار کے جذبے سے سرشار تھے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے لیے بہتری کے خواہاں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی ہمت نہیں ہاری اور ہر مشکل حالات میں اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر جدوجہد جاری رکھی۔ وہ کبھی سکولوں کے ذریعے نئی نسل کو تعلیم وتربیت دیتے، تو کبھی اکیڈمیوں کے ذریعے اپنے ساتھیوں کی مدد سے نئے مواقع تلاش کرتے۔ انہوں نے اپنے بچوں کے لیے حلال روزگار کمانے کا عہد کیا اور اسے ہر حال میں پورا کیا۔ ان کی زندگی ایک ایسی کتاب ہے جو ہر کشمیری کے لیے مشعل راہ ہے۔ وہ نہ صرف ایک رہنما تھے بلکہ ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحے کو تحریک کے لیے وقف کیا۔ ان کی جدوجہد نے نہ صرف ان کے علاقے بلکہ پوری کشمیری قوم کو متاثر کیا۔

بدقسمتی سے، کچھ عرصہ قبل یہ انکشاف ہوا کہ ماسٹر جی کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اس بیماری نے ان کے پھیپھڑوں کو شدید متاثر کیا اور ان کے جسم کے اندرونی اعضاء کو ناکارہ کر دیا۔ ان کی تنظیم حزب المجاہدین جموں کشمیر نے علاج معالجے کیلئے تمام ممکنہ اقدامات کیے، لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے۔ آخر کار، یہ عظیم سپوت اپنی جدوجہد اور قربانیوں کی داستان چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی جدائی نے ان کے رفقاء، دوستوں اور تحریک کے کارکنوں کے دلوں کو رنجیدہ کر دیا۔ ماسٹر سید نذیر الدین کشمیری کی زندگی ایک ایسی داستان ہے جو ہر کشمیری کے لیے عظیم مثال ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو تحریک آزادی کشمیر کے لیے وقف کر دیا اور ہر مشکل حالات میں اپنے ایمان، صبر اور استقامت سے دشمن کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایک عظیم رہنما، ایک مخلص کارکن اور ایک دین دار انسان تھے جنہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کے راستے میں قربان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر مفکر احمد : ایک عہد ساز شخصیت

حافظ عبدالرحمن مفکر

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کردے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو

ترجمہ : (القرآن، سورہ الصف، آیت 9)

ہر عہد میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں ایک انجمن ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی محض ذاتی کامیابیوں اور فتوحات کا نام نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے وقت کی فکری و علمی روایت کو نئی سمت عطا کرتے ہیں۔ میرے والد جناب ڈاکٹر مفکر احمد مرحوم بھی ایسی ہی نابغۂ روزگار شخصیت کا نام ہے جنہوں نے اپنی زندگی علم، جدوجہد اور خدمتِ دین کے لیے وقف کر دی۔ ڈاکٹر مفکر احمد نے میدانِ طب میں اپنی محنت، دیانت اور خدمتِ خلق سے ایک خاص مقام بنایا۔ مریضوں کا علاج صرف پیشے کے طور پر نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ ان کے کلینک میں آنے والا ہر مریض یہ محسوس کرتا کہ وہ ایک مہربان مسیحا کے پاس آیا ہے جس کے دل میں انسانیت کے درد کی شمع روشن ہے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ طبیب کا اصل منصب جسم کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی سکون دینا ہے۔ ڈاکٹر مفکر احمد کی شخصیت کا دوسرا روشن پہلو ان کا جذبۂ جہاد اور خدمتِ دین تھا۔ وہ اپنی جوانی ہی سے اسلام کی سربلندی اور امتِ مسلمہ کی بیداری کے لیے کوشاں رہے۔ دین کے معاملے میں ان کا موقف ہمیشہ دوٹوک اور واضح رہا۔ وہ نہ مداہنت کے قائل تھے اور نہ ہی وقتی فائدے کے۔ اسلام ان کے لیے صرف ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات تھا جس پر وہ نہ صرف خود عمل پیرا تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔ ادب اور تحقیق کے میدان میں بھی والد صاحب نے اپنے نقوش چھوڑے۔ ان کی تحریروں میں دردِ دل بھی ہے اور فکرِ بلند بھی۔ وہ قلم کو امانت سمجھتے تھے اور اپنے مضامین و مقالات میں ہمیشہ اسلامی افکار، معاشرتی اصلاح اور انسان دوستی کے پہلو اجاگر کرتے تھے۔ ان کے قارئین ہمیشہ یہ محسوس کرتے کہ یہ تحریر یں کسی عام قلم کار کی نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کی ہیں جو دل و دماغ کی گہرائیوں سے دین اور انسانیت کی بھلائی چاہتا ہے۔

میرے والد نے اپنی پوری زندگی انتہائی سادگی میں گزاری۔ وہ لباس و رہائش میں، کھانے پینے اور چلنے پھرنے میں، ہر جگہ ایک درویش صفت انسان دکھائی دیتے۔ ان کی زندگی میں تکلف، نمود و نمائش یا دنیاوی جاہ و جلال کا شائبہ تک نہ تھا۔ ان کا اصل سرمایہ علم، خدمت اور اخلاص تھا۔ وہ اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر ہمیشہ دوسروں کے لیے جیتے رہے۔ آج جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، تو ان کی تمام ذمہ داریاں ہمارے کندھوں پر آن پڑی ہیں۔ میں اپنے آپ کو ایک امانت دار سمجھتا ہوں جسے ان کے خوابوں اور مشن کو آگے بڑھانا ہے۔ والد صاحب اپنی زندگی میں کئی علمی منصوبے اور کتابیں تیار کر چکے تھے جو ابھی زیرِ طباعت سے آراستہ ہونا باقی ہیں۔ یہ کام اب میرا فرض ہے کہ ان کو مکمل کروں، مگر مجھے معلوم ہے کہ میں اکیلا یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس لیے میں ان کے دوستوں اور رفقاء سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ کھڑے ہوں، تاکہ ہم سب مل کر ان کی فکری وراثت کو آگے بڑھا سکیں۔ والد صاحب کی جدائی میرے لیے ذاتی طور پر ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے، مگر میں جانتا ہوں کہ ان کی اصل زندگی ان کے افکار، تحریروں اور خدمات میں زندہ ہے۔ وہ چراغ جو انہوں نے روشن کیا تھا، ہمیں اب بجھنے نہیں دینا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھا سکیں۔

ڈاکٹر مفکر احمدؒ ۔۔ مجاہد بھی اور طبیب بھی

خالد عمران خالد

زندگی کی راہوں پر بعض اوقات ہمیں ایسے لوگ ملتے ہیں جو نہ صرف اپنے پیشے میں کمال رکھتے ہیں بلکہ اپنے عقیدے اور مشن کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھنے کو بھی تیار رہتے ہیں۔ ڈاکٹر مفکر احمد، جو ڈاکٹر مفکر الاسلام کے نام سے بھی پہچانے جاتے تھے، ایسی ہی نایاب شخصیت تھے۔ وہ ایک ماہر طبیب تھے جو مریضوں کی خدمت اور ان کی شفا کے لیے بے چین رہتے، مگر ان کی زندگی کا اصل مقصد اسلام کی سربلندی اور مظلوم مسلمانوں کی آزادی تھا۔ ان کی زندگی محبت، اخلاص، جدوجہد اور قربانی سے مزین ایک روشن داستان ہے۔ اسلام کے ساتھ ان کی والہانہ وابستگی ایسی تھی کہ وہ ہر محاذ پر متحرک نظر آتے تھے، چاہے وہ قلم کی جنگ ہو یا خدمتِ خلق کا میدان۔ آج جب وہ ہم میں موجود نہیں تو ان کی یادیں اور کارنامے ہمارے لیے چراغِ راہ ہیں۔

میری پہلی ملاقات 1995 میں جامعہ منصورہ لاہور میں ڈاکٹر

زندگی کی راہوں پر بعض اوقات ہمیں ایسے لوگ ملتے ہیں جو نہ صرف اپنے پیشے میں کمال رکھتے ہیں بلکہ اپنے عقیدے اور مشن کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھنے کو بھی تیار رہتے ہیں۔ ڈاکٹر مفکر احمد، جو ڈاکٹر مفکر الاسلام کے نام سے بھی پہچانے جاتے تھے، ایسی ہی نایاب شخصیت تھے۔ وہ ایک ماہر طبیب تھے جو مریضوں کی خدمت اور ان کی شفا کے لیے بے چین رہتے، مگر ان کی زندگی کا اصل مقصد اسلام کی سربلندی اور مظلوم مسلمانوں کی آزادی تھا

مفکر الاسلام سے ہوئی۔ پہلی ہی نظر میں وہ ایک ایسے شخص معلوم ہوئے جنہیں طب کے شعبے میں گہری بصیرت حاصل ہے اور جو ساتھ ہی اسلامی تحریکات کے ساتھ والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ یہ ملاقات وقت گزرنے کے ساتھ ایک مضبوط رفاقت میں ڈھل گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ ہر ایک کو اپنا سا بنا لیتے۔ ان کی گفتگو دلائل اور منطق سے مزین ہوتی اور وہ اپنی بات کو نہایت مدلل انداز میں پیش کرتے تھے۔ اسی مشترکہ سوچ اور مقصد نے اس دوستی کو مزید پختہ کیا۔

1996 میں جب امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمدؒ نے کرپشن کے خلاف ملک گیر تحریک کا آغاز کیا، ڈاکٹر مفکر الاسلام اس میں پیش پیش رہے۔ وہ نہ صرف خود شریک ہوئے بلکہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بھی اس تحریک سے جوڑا۔ یہی کوششیں اس تحریک کو عوامی سطح پر مقبول بنانے میں مددگار ثابت ہوئیں۔ اس کے بعد جب بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی پاکستان آئے تو جماعت اسلامی نے ان کے خلاف احتجاج کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر کئی کالم تحریر کیے جو اخبارات میں شائع ہوئے۔ ان کے قلم میں ایک ایسی حرارت اور قوت تھی جو قارئین کے دلوں کو جھنجوڑ دیتی اور انہیں بیدار کرتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ سیاسی جدوجہد اسلام کی سربلندی کا ایک لازمی تقاضا ہے، اسی لیے ایسے ہر موقع پر وہ صفِ اول میں موجود رہتے۔ ان کی شخصیت کا سب سے روشن پہلو مجاہدین سے بے پناہ محبت تھا۔ فلسطین کے مجاہدین کے وہ حقیقی ترجمان تھے اور ان کی جدوجہد کو دنیا تک پہنچانے کے لیے مسلسل سرگرم رہے۔ وہ کئی بار معسکر البدر گئے، مجاہدین سے ملاقات کی اور بعض کو اپنے ساتھ بھی لائے۔ کشمیر کے شہدا پر ان کے مضامین درد، جذبے اور اخلاص سے بھرپور ایک زندہ یادگار ہیں۔ افغانستان اور کشمیر کے مجاہدین پر ان کی تحریریں مختلف رسائل میں شائع

ڈاکٹر مفکر الاسلام ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ چاہے عام لوگ ہوں یا مجاہدین، ہر کوئی ان کے اخلاص اور محبت کا قائل تھا۔ ان کا جسمانی ڈھانچہ بھاری بھرکم تھا، مگر گفتگو کا انداز نپا تلا، مدلل اور انتہائی متاثر کن۔ مجاہدین کی صفوں میں وہ بطور رہنما مانے جاتے تھے۔ ان کی عملی زندگی مجاہدین کے ساتھ ان کی لازوال وابستگی کی آئینہ دار تھی۔ وہ کشمیر میڈیا سنٹر سے بھی وابستہ رہے، اور وہاں مزاحمتی میڈیا کے محاذ پر بھی فعال کردار ادا کرتے رہے۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے باوجود میڈیا اور مزاحمت دونوں میں ان کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ہوتی رہیں، جو ان کی جہادی فکر کا واضح ثبوت ہیں۔ مسئلہ فلسطین اور مسئلہ کشمیر سے ان کے دل کی گہری وابستگی تھی۔ وہ فلسطین فورم سے بھی وابستہ رہے اور بیت المقدس کی آزادی کے لیے ان کی تحریریں اخبارات و رسائل کی زینت بنتی رہیں۔

واجپائی کے دورہ پاکستان کے موقع پر حزب المجاہدین پاکستان کے امیر ڈاکٹر کمال خان صاحب اور نائب امیر عثمان خان صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس نازک موقع پر جماعت کی قیادت ڈاکٹر مفکر الاسلام کے سپرد کی گئی۔ انہوں نے یہ بھاری ذمہ داری نہایت دانشمندی سے نبھائی۔ مختلف کیمپوں کے دورے کیے، مجاہدین کو اعتماد میں لیا، ان کا حوصلہ بلند رکھا اور رہنمائی فراہم کی۔ یہ دور ان کے قائدانہ اوصاف کا امتحان تھا اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہے۔

2005 کا زلزلہ آزاد کشمیر کی تاریخ کا الم ناک باب تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر مفکر الاسلام نے خدمتِ انسانیت کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ وہ پیپاالحاجری ہسپتال میں ڈائریکٹر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے اور زخمیوں کی خدمت کے لیے دن رات کوشاں رہے۔ اسی دوران انہوں نے مظفرآباد کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا۔ گھڑی دوپٹہ میں کلینک قائم کیا اور وہیں رہائش اختیار کی۔ وہاں وہ نہ صرف لوگوں کا علاج کرتے بلکہ انہیں روحانی و اخلاقی سہارا بھی فراہم کرتے۔ ایک طبیب ہونے کے باوجود ان کا مجاہدانہ جذبہ کبھی ماند نہ پڑا۔

ڈاکٹر مفکر الاسلام ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ چاہے عام لوگ ہوں یا مجاہدین، ہر کوئی ان کے اخلاص اور محبت کا قائل تھا۔ ان کا جسمانی ڈھانچہ بھاری بھرکم تھا، مگر گفتگو کا انداز نپا تلا، مدلل اور انتہائی متاثر کن۔ مجاہدین کی صفوں میں وہ بطور رہنما مانے جاتے تھے۔ ان کی عملی زندگی مجاہدین کے ساتھ ان کی لازوال وابستگی کی آئینہ دار تھی۔ وہ کشمیر میڈیا سنٹر سے بھی وابستہ رہے، اور وہاں مزاحمتی میڈیا کے محاذ پر بھی فعال کردار ادا کرتے رہے۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے باوجود میڈیا اور مزاحمت دونوں میں ان کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ان کا چھوٹا سا بیگ اکثر ان کے ہمراہ ہوتا، جس میں ان کی تحریریں اور تصانیف موجود ہوتیں۔ یہ مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہتے، خصوصاً البدر، کشمیر الیوم، جہاد کشمیر، مصباح اور ہم قدم میں۔ کشمیر کے ساتھ ساتھ فلسطین سے بھی ان کے تعلق کی گہرائی عیاں تھی۔ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی آزادی ان کی

زندگی کا خواب تھا، جس پر ان کے مضامین آج بھی ایک قیمتی اثاثہ ہیں۔

ڈاکٹر مفکر احمد کی زندگی ایک روشن باب ہے جو بظاہر بند ہو گیا مگر اس کی روشنی اپنے نقوش ہمیشہ چھوڑتی رہے گی۔ وہ کشمیر اور فلسطین کی آزادی کا خواب دیکھتے دیکھتے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔ مجاہدین اور اہل فکر ایک شاندار، دردمند اور مخلص انسان سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے، ان کی قربانیوں کو قبول کرے اور آخرت میں اپنی شان کے مطابق ان پر اجر عظیم کی بارش فرمائے۔ آمین۔

میرے دوست، میرے رہنما
ڈاکٹر مفکرؒ

اویس بلال

ڈاکٹر مفکر ایک عظیم مجاہد، ادیب اور مفکر 10 ستمبر 2025 کو ایک عظیم شخصیت، افغان جہاد کے غازی، تحریک آزادی کشمیر کے سچے عاشق، جماعت اسلامی کے معروف رہنما، ممتاز صحافی، ادیب، دانشور اور مصنف ڈاکٹر مفکر اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ انہوں نے تقریباً 35 سے 40 سال تک صحافت کے میدان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ وہ ایک ایسی ہستی تھے جنہوں نے اپنی صلاحیتوں اور ہنر کے ذریعے دنیاوی آسائشوں اور دولت کی چمک دمک کو ٹھکرا کر نظریے کی کٹھن راہ اختیار کی۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی تحریک اسلامی کے لیے وقف کر دی اور اپنی تحریروں سے لوگوں کو باخبر کرنے کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کیا۔ ڈاکٹر مفکر پیشے کے لحاظ سے میڈیکل آفیسر تھے، لیکن ان کی شخصیت صرف اس پیشے تک محدود نہ تھی۔ وہ ادیب، دانشور، مصنف، اور ایک مجاہد کمانڈر بھی تھے۔ Afghan جہاد میں انہوں نے حصہ لیا اور جب کشمیر کا جہاد شروع ہوا تو انہوں نے زخمی مجاہدین کا علاج و معالجہ کیا۔ انہوں نے سادگی کو اپنا شعار بنایا اور تحریک کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ وہ ایک خوش مزاج اور ملنسار انسان تھے، جن کی صحبت میں ہر کوئی خود کو آرام دہ محسوس کرتا تھا۔ ڈاکٹر مفکر کی تحریک آزادی کشمیر سے وابستگی نہ صرف جذباتی تھی بلکہ عملی طور پر بھی قابل ستائش تھی۔ جب بھی مقبوضہ جموں و کشمیر کے شہداء کا ذکر ہوتا، ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ ان کی یہ جذباتی وابستگی ان کے نظریے کی گہرائی اور ان کی تحریک سے محبت کی عکاس تھی۔ جب شہید ضیاء الرحمن نے انہیں بتایا کہ میں جمعیت کا کارکن رہا ہوں، تو انہوں نے ان کی بے حد عزت کی اور ہر ملاقات میں ان کا پیار اور احترام عیاں ہوتا تھا۔ میڈیا آفس میں ہونے والی ملاقاتوں میں ان کی گرمجوشی اور محبت ہمیشہ یاد رہے گی۔ ایک بار ڈاکٹر مفکر کے ساتھ محفل میں شہید غلام حسن عرف ابوبکر کا ذکر چھڑا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میں شہید ابوبکر کے بارے میں کچھ لکھوں، اور اگر کوئی کمی بیشی ہوئی تو وہ اسے درست کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی سربلندی کے لیے ایسے افراد کو چن لیتا ہے جو دین حق کی دعوت کو عام کرنے اور اس کی خاطر جہاد کرنے کے لیے اپنی زندگیاں قربان کر دیتے ہیں۔ شہید ابو بکر، جو کشتواڑ ڈوڈہ کے بٹالین کمانڈر تھے، انہی برگزیدہ افراد میں سے ایک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کی عظیم نعمت سے نوازا اور ہمیشہ کے لیے حیات جاوداں عطا کی۔ ڈاکٹر مفکر نے کہا تھا کہ قوموں کی عزت اور سربلندی ان کے جوانوں کی قربانیوں سے وابستہ ہوتی ہے۔ جو قومیں اپنے جوانوں کی قربانیاں پیش نہیں کرتیں، وہ کبھی عزت سے نہیں جی سکتیں۔ انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ شہید ابو بکر کشتواڑی کی شہادت کو قبول فرمائے اور آخرت میں انہیں ہماری سفارش کا ذریعہ بنائے۔ ڈاکٹر مفکر نے اپنی زندگی اور تحریروں سے ایک واضح پیغام دیا کہ نظریے کی خاطر قربانی دینا ہی اصل کامیابی ہے۔ ان کے بقول:

وہ لوگ جنہوں نے خون دے کر پھولوں کو رنگت بخشی ہے
دو چار سے دنیا واقف ہے، گمنام نہ جانے کتنے ہیں
چمن میں آئے گی فصل بہاراں، ہم نہیں ہوں گے
چراغ زندگی ہوگا فروزاں، ہم نہیں ہوں گے

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر مفکر کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے، اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر مفکرؒ کی یاد میں تعزیتی ریفرنس

معروف صحافی، طبیب اور مصنف ڈاکٹر مفکر اللہ کے حضور پیش ہوئے۔ اس سلسلے میں ماہنامہ کشمیر الیوم کے دفتر پر ایک دعائیہ تقریب منعقد ہوئی۔ تقریب میں مقررین نے مرحوم ڈاکٹر مفکر احمد کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش ادا کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم نہ صرف ایک طبیب، مصنف، دانشور اور معروف صحافی تھے بلکہ تحریک آزادی کشمیر کے ایک سچے عاشق بھی تھے۔ مرحوم انتہائی ملنسار، دین دار اور نیک سیرت شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے قلمی محاذ پر جو کام انجام دیئے انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ڈاکٹر مفکر احمد نے کشمیر میڈیا سنٹر کے انچارج کے طور پر اپنے فرائض جس جانفشانی اور جس جذبے سے انجام دیئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ مرحوم نے ابلاغی محاذ پر کشمیر کے مقدمے کو جس بھرپور انداز سے لڑا وہ تاریخ کا ایک خوبصورت باب ہے۔ تقریب کے اختتام پر مرحوم کی جنت نشینی اور بلندی درجات اور، پسماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا کی گئی۔ (ادارہ)

انتقال پُرملال ماہ اگست 2025

اعجاز احمد لون کپواڑہ کے (بھائی) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئے ۞ شفاعت فاروق گاندربل کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئیں ۞ وسیم سجاد کپواڑہ کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئیں ۞ عمر حیات اسلام آباد کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئیں

اللہ پاک مرحومین کی مغفرت فرمائے

قارئین سے گزارش ہے کہ مرحومین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھے

محمد اشرف ڈار۔۔۔تحریک آزادی کشمیر کا وہ چراغ جو بجھا نہیں

محمد شہباز

جناب محمد اشرف ڈار تحریک آزادی کشمیر کا ایک روشن ستارہ ہیں۔ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہیں۔وہ ایسے نقوش چھوڑ کر گئے ہیں جو آج بھی مقبوضہ جموں وکشمیر کے جنگلوں،وادیوں اور بیابانوں میں برہمن سامراج کے خلاف برسرپیکارسرزمین کشمیر کے فرزندوں کیلئے مشعل راہ ہیں۔جناب محمد اشرف ڈار کی شہادت کو پورے 33 برس مکمل ہوچکے ہیں مگر ان کی یادیں آج بھی تازگی کا احساس دلاتی ہیں۔ان 33 برسوں میں ان کی زندگی کے شب وروز اور مسلح جدوجہد میں ان کے سرخیلی کردار پر کئی بار قلم کو جنبش دینا چاہی مگر قلم بھی قرطاس پر کچھ نہ لانے پر آمادہ کرتا رہا۔شہید محمد اشرف ڈار کے بچپن کے دوست،مسلح جدوجہد میں ان کے ہمرکاب اور راز دار شیخ عبدالوحید کے ساتھ ملاقات میں اچانک جناب محمد اشرف ڈار یاد آگئے۔دل ودماغ کے دریچوں پر شہید نے دستک دی اور پھر ان کی یادوں کو تازہ کرنے پر آمادہ بہ مائل کیا۔محمد اشرف ڈار ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔وسطی ضلع بڈگام کی مردم خیز بستی سنور کلی پورہ جو سیب اور بادام کے باغات سے گھری ہوئی،چھوٹی چھوٹی پہاڑی ٹیکریاں اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔چنار،سفیدے اور اخروٹ کے بڑے بڑے درخت بھی اس بستی کی شان میں اضافہ کرتے ہیں جبکہ اس کی نزدیک ترین بستی رازوین ہے جہاں سے شیخ عبدالوحید تعلق رکھتے ہیں۔محمد اشرف ڈار کے والد جناب عبدالعزیز ڈار پروفیسر تھے لہٰذا شہید کو بچپن سے ہی گھر میں تعلیم سے بھرپور ماحول میسر آیا۔اس کے علاوہ انہیں جناب غلام محمد میر المعروف شہید شمس الحق کا شاگرد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔جس پر وہ فخر کیساتھ ذکر کرکے اس تعلق کو اپنے لیے خوش بختی قرار دیتے تھے اور جب بھی شہید حق صاحب کا ذکر کرتے تھے تو بڑے ادب واحترام کے ساتھ کرتے کہ میں نے جو کچھ سیکھا ہے انہی سے سیکھا۔وہ انہیں اپنے روحانی استاد کا درجہ دیتے تھے۔وہ پڑھنے میں لائق تھے۔ابتدائی تعلیم اپنی بستی سے حاصل کی اور میٹرک کے بعد ہائیر سیکنڈری سکول ماگام میں داخلہ لیا۔ابھی گیارہویں جماعت میں ہی زیر تعلیم تھے کہ 14 اگست کے موقع پر ہائر سیکنڈری سکول کی عمارت پر پاکستانی سبز ہلالی پرچم لہرایا۔اس واقع نے بھارتی انتظامیہ اور بھارتی ایجنسیوں کو سیخ پا کیا۔شہید بھارتی ایجنسیوں کے ریڈار پر آگئے۔ان کا پیچھا شروع

شہید محمد اشرف ڈار

ہوگیا۔نتیجتاً ان کا گھر اور والد صاحب بھی اس کی زد میں آگئے۔لے دے کے شہید نے گیارہویں جماعت پاس کی اور ابھی بارہویں جماعت میں آئے ہی تھے کہ میڈیکل اسسٹنٹ کی لسٹ میں ان کا نام آگیا۔ان کی پوسٹنگ بیروہ ہسپتال میں ہوئی،یہاں تک کہ 1987 آن پہنچا۔

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں۔۔۔کے مصداق محمد اشرف ڈار کسی اور ہی راستے کا مسافر تھا۔دوران ملازمت ہی وہ اس راستے کا انتخاب کرچکے تھے جس میں بالآخر اپنی متاع عزیز بھی قربان کی۔1987 میں جب مسلم متحدہ محاذ کو کشمیری عوام کی بھرپور حمایت کے باوجود انتخابات میں کامیابی کو شکست میں بدلا گیا تو اہل کشمیر کے گبرو جوان نے بدترین ناانصافی پر مبنی اس ظلم کے خلاف بلیٹ کو بلٹ میں بدلنے کا فیصلہ کیا تو اس فیصلے میں جناب محمد اشرف ڈار بنفس نفیس شامل تھے۔وہ 1987 کے انتخابی عمل میں اپنے استاد جناب شمس الحق کے دست راست تھے اور وہ اپنی آنکھوں سے پوری صورتحال کا مشاہدہ کرچکے تھے۔شروع کے چند گنے چنے افراد جو کنٹرول لائن عبور کرکے بیس کیمپ پہنچے تھے ان میں محمد اشرف ڈار اور شیخ عبدالوحید سرفہرست تھے۔یہاں سے واپسی پر انہوں نے ضیا ٹائیگرز کے نام سے گروپ تشکیل دیا،چونکہ وہ شہید جنرل ضیاالحق کے شیدائی تھے گو کہ بعدازاں حزب المجاہدین کے قیام کے بعد ضیا ٹائیگرز کو حزب المجاہدین میں ضم کیا تھا۔وہ کئی بار کنٹرول لائن کو اپنے پاؤں تلے روند چکے تھے اور خود نوجوانوں کو اپنی میت میں بیس کیمپ لاتے رہے۔خود ایک بار کہہ رہے تھے کہ سردیاں شروع ہونے کو تھیں اور سرحدوں پر ہلکی برفباری بھی ہوچکی تھی،میرے ساتھ چند ایک نوجوان تھے جن میں ایک بہت زیادہ تھک چکا تھا تو دوسرے یہ کہہ رہے تھے کہ مذکورہ نوجوان کو یا تو واپس بھیج دیا جائے یا پھر راستے میں ہی چھوڑ دیا جائے لیکن میری غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ محمد اشرف ڈار کی قیادت میں جانے والا کوئی نوجوان جس نے آگے جا کر خود کو قربان کرنا ہو اسے راستے میں بے یارومددگار چھوڑا جائے لہٰذا میں نے ایک رسی ان کے دونوں ہاتھوں کیساتھ باندھ کر سرا خود پکڑ لیا اور پھر اس سے منزل مقصود تک پہنچا کر ہی دم لیا،حالانکہ میرے پاس کھانے کیلئے صرف کچھ سیب ہی تھے جو میں گھر سے ساتھ لایا تھا۔

1988 میں ہی محمد اشرف ڈار مقبوضہ جموں وکشمیر میں دشمن کے خلاف دودو ہاتھ کرتے رہے اور بیروہ میں اس وقت کے وزیراعلیٰ کی سیکیورٹی عملے پر حملہ بھی شہید اشرف ڈار نے ہی شیخ

> محمد اشرف ڈار کے والد جناب عبدالعزیز ڈار پروفیسر تھے،لہٰذا شہید کو بچپن سے ہی گھر میں تعلیم سے بھرپور ماحول میسر آیا۔اس کے علاوہ انہیں جناب غلام محمد میر المعروف شہید شمس الحق کا شاگرد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔جس پر وہ فخر کیساتھ ذکر کرکے اس تعلق کو اپنے لیے خوش بختی قرار دیتے تھے اور جب بھی شہید حق صاحب کا ذکر کرتے تھے تو بڑے ادب و احترام کے ساتھ کرتے کہ میں نے جو کچھ سیکھا ہے انہی سے سیکھا۔وہ انہیں اپنے روحانی استاد کا درجہ دیتے تھے۔

عبدالوحید کے ساتھ ملکر کیا تھا۔پھر انہی ایام میں پورے ضلع بڈگام کا ایک ساتھ کریک ڈاون بھی کیا گیا تھا،جس میں پہلی دفعہ ہیلی کاپٹر بھی استعمال کیے گئے تھے۔مگر دشمن خاک چھاننے کے باوجود ان دونوں کا بال بھی بیکا نہیں کرسکا۔عصر کے قریب کریک ڈاون ختم کیا گیا تو یہ دونوں نمودار ہوگئے۔جس پر انہیں چھلاوے کا لقب دیا گیا۔

1990 کے آغاز میں محمد اشرف ڈار پھر ایک بار بیس کیمپ پہنچے چونکہ 1989 کے آخری ایام اور نوے کے شروع میں پورے مقبوضہ جموں وکشمیر سے ہزاروں کی تعداد میں قافلے بیس کیمپ پہنچے تو عسکری کیساتھ ساتھ دینی واخلاقی تربیت کا انتظام و انصرام کا اہتمام ایک کٹھن مرحلہ جماعت اسلامی پاکستان و آزاد کشمیر کے بھرپور تعاون اور مدد کے بغیر ممکن نہیں تھا جس میں مرحوم قاضی حسین احمد اور جناب عبدالرشید ترابی پیش پیش تھے۔بحیثیت شخصیات اور جماعت یہ کردار تعاون اور پشتبانی تاریخ کا وہ سنہری باب ہے جس سے بھلایا جانا ممکن نہیں ہے۔اس کام میں جناب محمد مقبول الٰہی بھی پیش پیش تھے اور وہ تمام معاملات کی نگرانی کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔وہ بھی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور بلاشبہ مسلح جدوجہد کے اولین سالار ٹھہرے تھے۔انہی کی سربراہی میں بدنام زمانہ پولیس آفیسر علی وٹالی پر حملہ کیا گیا تھا جس میں جناب اعجاز احمد ڈار مرتبہ شہادت پر فائز جبکہ محمد مقبول الٰہی دائیں بازو میں گولیاں لگنے سے مضروب ہوچکے تھے۔

محمد اشرف ڈار گو کہ ناز و نعم سے پلا بڑا تھا لیکن موجودہ تحریک آزادی میں سادگی میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ان کے پاس ایک ہی قمیص شلوار ہوتا تھا اور پھٹی پرانی پلاسٹک چپل ان کے پاوں میں دیکھ کر قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوجایا کرتی تھی۔وہ کم عمر ضرور تھے لیکن انہیں ہر تنظیمی میٹنگ کا حصہ بننے پر مجبور کیا جاتا تھا حالانکہ وہ نمود و نمائش اور بڑا بننے سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔راقم کئی بار عباسی کیمپ میں ان کے پاس جناب علی محمد ڈار اور دوسرے اکابرین کو صلاح ومشورہ کیلئے آنے کا مشاہدہ کرچکا تھا۔جناب غلام رسول ڈار 1990 کے وسط میں بیس کیمپ پہنچے تو وہ بھی عباسی کیمپ میں ہی قیام پذیر ہوئے تو محمد اشرف ڈار جو کہ مقبوضہ جموں وکشمیر میں ہی شہید ڈار صاحب سے شناسا تھے لیکن یہاں کی قربت نے انہیں جناب غلام رسول ڈار کا گرویدہ بنایا تھا۔وہ ڈار صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ بیٹھا کرتے تھے پھر حزب المجاہدین کے سالار سید صلاح الدین احمد بھی بیس کیمپ پہنچنے پر عباسی کیمپ میں ہی قیام پذیر تھے۔

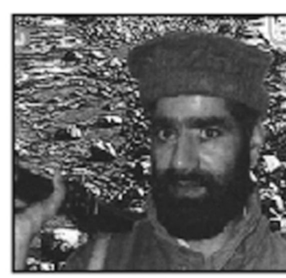

شہید شمس الحق

شہید محمد مقبول ملائی

شہید غلام رسول ڈار

پیر صاحب نے شہید اشرف ڈار کی زندگی پر گہرے نقوش چھوڑے جو شہادت کے دن تک ان کی زندگی کا حصہ تھے۔

یہاں اس بات کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ چند ناعاقبت اندیش جو ہر وقت اپنی دال گلنے کی فکر میں رہتے تھے نے محمد اشرف ڈار کو جناب مقبول الٰہی سے بدظن کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور مجھے یہ لکھنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہے کہ اصل میں ایسے ناعاقبت اندیش افراد محمد اشرف ڈار کی ذات کے پیچھے چھپنا چاہتے تھے البتہ پیر صاحب اور شہید غلام رسول ڈار کی یہاں آمد پر شہید اشرف ڈار محمد مقبول الٰہی سے شیر وشکر ہوگئے اور پھر دونوں ایک ساتھ مقبوضہ کشمیر میں وارد ہوئے۔ان کی مقبوضہ کشمیر واپسی پر بھارتی میڈیا نے یہ کہا تھا کہ دو خطرناک دہشت گرد وادی کشمیر میں داخل ہوگئے۔یہ جولائی 1992 کے ایام تھے جب محمد اشرف ڈار نے مقبوضہ کشمیر کیلئے رخت سفر باندھا۔انہیں جماعت اسلامی آزاد کشمیر بالعموم اور جناب عبدالرشید ترابی نے بالخصوص روکنا چاہا مگر شہادت پر فائز ہونا ان کے نصیب میں لکھا جاچکا تھا۔محمد اشرف ڈار نے ترابی صاحب کو اپنا خواب سنایا کہ کئی روز سے شہید اشفاق مجید وانی خواب میں آکر کہتے ہیں کہ میں تمہارا گھر میں انتظار کرتا ہوں آپ آئے کیوں نہیں۔گویا ایک سالار دوسرے سالار کو بلا رہا تھا۔بس پھر تین ماہ بعد جناب محمد اشرف ڈار اپنی ہی مردم خیز بستی میں دشمن کے ہاتھوں شہادت کی خلعت پہن کر شہید اشفاق مجید وانی کے پاس پہنچ گئے۔ان کیساتھ کراچی کے عمر سرفراز اور گرند کے اعجاز احمد بھی جام شہادت نوش کرگئے۔ہم بیس کیمپ میں ایک مقام پر مقیم تھے

> محمد اشرف ڈار گو کہ ناز و نعم سے پلا بڑا تھا لیکن موجودہ تحریک آزادی میں سادگی میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ان کے پاس ایک ہی قمیض شلوار ہوتا تھا اور پھٹی پرانی پلاسٹک چپل ان کے پاوں میں دیکھ کر قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو جایا کرتی تھی ۔وہ کم عمر ضرور تھے لیکن انہیں ہر تنظیمی میٹنگ کا حصہ بننے پر مجبور کیا جاتا تھا حالانکہ وہ نمود و نمائش اور بڑا بننے سے کوسوں دور بھاگتے تھے ۔راقم کئی بار عباسی کیمپ میں ان کے پاس جناب علی محمد ڈار اور دوسرے اکابرین کو صلاح و مشورہ کیلئے آنے کا مشاہدہ کر چکا تھا۔

کہ رات کو بی بی سی نے ان کی شہادت کی خبر بطور بریکنگ نیوز چلائی ۔میرے دوست محمد مشتاق زاہد علی نے مجھے آگاہ کیا تو پورا کیمپ جیسے سوگ میں ڈوب گیا۔دوسرے روز علی الصبح ایک اور عالمی نشریاتی ادارے وائس آف امریکہ VOA نے اپنی نشریات کا آغاز ہی اسی خبر سے کر کے کیا کہ بھارت کے زیر انتظام کشمیر میں حزب المجاہدین کے ایک اعلی کمانڈر کی موت ۔پھر اپنے نمائندے قیصر مرزا 'کی تفصیلی رپورٹ پیش کی ۔قیصر مرزا نے سید صلاح الدین احمد سے پوچھا کہ کیا محمد اشرف ڈار کی موت تحریک اور تنظیم کیلئے بڑا دھچکہ نہیں ہے؟ تو جناب سید کا جواب تھا اشرف ڈار اپنے پیچھے ہزاروں اشرف ڈار چھوڑ کر گئے ہیں ۔شہید محمد اشرف ڈار کی نماز جنازہ میں لوگوں کا سمندر امڈ آچکا تھا اور تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی ۔ یوں ملت اسلامیہ کے ماتھے کا جھومر اور چمکتا ستارہ جناب محمد اشرف ڈار نے جس راستے کا انتخاب کیا اسی راستے میں اپنا گرم گرم لہو بھی بہا یا۔

ان کی شہادت کے دو برس بعد جناب شمس الحق اور

> محمد اشرف ڈار نے ترابی صاحب کو اپنا خواب سنایا کہ کئی روز سے شہید اشفاق مجید وانی خواب میں آ کر کہتے ہیں کہ میں تمہارا گھر میں انتظار کرتا ہوں آپ آتے کیوں نہیں ۔گویا ایک سالار دوسرے سالار کو بلا رہا تھا۔بس پھر تین ماہ بعد جناب محمد اشرف ڈار اپنی ہی مردم خیز بستی میں دشمن کے ہاتھوں شہادت کی خلعت پہن کر شہید اشفاق مجید وانی کے پاس پہنچ گئے ۔ان کیساتھ کراچی کے عمر سرفراز اور گرند کے اعجاز احمد بھی جام شہادت نوش کر گئے ۔

جناب میر احمد حسن بیس کیمپ تشریف لائے تو پتہ چلا کہ محمد اشرف ڈار کو صوبہ جموں میں بھیجنے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی ۔کیونکہ شہید صوبہ جموں بطور خاص ڈوڈہ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور وہاں کے تحریکی افراد کیساتھ ان کی انسیت قابل دید تھی ۔شہید احمد حسن کہہ رہے تھے کہ ہم نے اپنا ایک گروپ بیس کیمپ بھیجنا تھا اور اس کیلئے کپڑے، جوتے اور دوسرا زادراہ خریدا جاچکا تھا،اسی اثنا میں وہاں صوبہ جموں سے بھی ایک گروپ آن پہنچا تو شہید محمد اشرف ڈار نے اپنے ساتھیوں کیلئے خریدا گیا سارا سامان جموں کے ساتھیوں میں تقسیم کیا اور پھر گھر سے پیسے لیکر نیا سامان خریدنے کیلئے دیئے تھے ۔البتہ ان کی صوبہ جموں جانے کی آرزو پوری نہیں ہوئی، جو ان کے دل میں مچل رہی تھی ۔اسی طرح یہاں سے واپسی پر وہ جنوبی کشمیر گئے اور وہاں اراکین جماعت سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ تحریک فوری نتائج کی حامل نہیں بلکہ برسوں پر محیط ہے،اس کی آبیاری جماعت کے لوگوں نے اپنے خون سے کرنی ہے۔

محمد اشرف ڈار جہاں سنجیدہ فکر مزاج کے مالک تھے وہیں انہیں غیر سنجیدہ افراد کا طرز عمل ناپسند اور ناگوار گزرتا تھا اور کبھی کبھار وہ ایسے لوگوں کی ٹھیک ٹھاک کلاس لینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے ،حتیٰ کہ میدان کارزار میں بھی انہوں نے بڑے بڑوں کو ٹھیک بھی کیا ہے،جس کی گواہی شمس الحق اور میر احمد حسن کے علاوہ مرحوم مولانا غلام نبی نوشہری نے بھی دی ہے ۔میدان کارزار میں نوشہری صاحب کی سربراہی میں ایک مصالحتی کمیشن بھی بنا تھا جس کے محمد مقبول الٰہیؒ اور محمد اشرف ڈارؒ بھی ممبر تھے ۔محمد اشرف ڈار کی شہادت کے بعد ان کے والد پروفیسر عبدالعزیز ڈار حج بیت اللہ پر تشریف لے گئے تو وہاں سے انہوں نے شہید غلام رسول ڈار کیساتھ فون پر بات کی اور شہید ڈار صاحب سے کہا کہ اب تو اشرف کو واپس بھیج دیتے ،جس پر شہید ڈار صاحب کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے ۔یہ ایک والد کی اپنے بیٹے کیساتھ عقیدت کا اظہار تھا۔جہاں شیخ عبدالوحید اور محمد اشرف ڈار بچپن سے ہی راز و نیاز کی باتیں کرتے تھے وہیں انہیں شہید عبدالماجد ڈار،محمد مظفر،عبدالقادر اور فاروق احمد ڈار جیسے ہیرے بھی میسر آئے ،جو اپنے خون سے تحریک آزادی کشمیر کی آبیاری کر چکے ہیں ۔بلاشبہ یہ انہی باکردار اور پاک نفوس کی قربانیوں کا ہی ثمر ہے کہ آج بھی ان جبر کے حالات میں اہل کشمیر برہمن سامراج کے خلاف برسر پیکار لاکھوں قربانیوں سے مزین اپنی تحریک آزادی جاری رکھے ہوئے اس سے ہر حال میں پائیہ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں ۔یہ قربانیاں ہر حال میں وفا کا تقاضا کرتی ہیں اور فی زمانہ یہ تقاضا کرتی رہیں گی ۔شہید محمد اشرف ڈار نے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جو شمع جلائی ہے اس شمع کی روشنی کو ماند نہیں بلکہ جلائے رکھنا زندہ ضمیر قوموں، جماعتوں اور افراد پر فرض ہے ۔

جناب محمد شہباز بڈگامی معروف کشمیری صحافی اور کالم نگار ہیں ۔
کشمیر الیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں ۔

ڈاکٹر منان وانی شہیدؒ: ایک عہد ساز شخصیت

میر عبدالرشید فرقانی

ڈاکٹر منان وانی شہیدؒ جدید کشمیر کی تحریک آزادی کا ایک ایسا روشن ستارہ تھے جنہوں نے اپنی زندگی کے مختصر مگر بامقصد سفر سے آنے والی نسلوں کے لیے حوصلے، ایثار اور استقامت کی ایک لازوال داستان رقم کی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان، قلم کے دھنی اور فکر و بصیرت سے مالا مال اس شخصیت نے جب اپنی قوم کے زخموں کو قریب سے دیکھا تو سکون کی زندگی اور دنیاوی آسائشیں ترک کر کے جدوجہد آزادی کے کٹھن راستے کو اختیار کیا۔ ان کا یہ فیصلہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کشمیر کی تحریک محض جذباتی وابستگی کا نام نہیں بلکہ شعوری، فکری اور نظریاتی جدوجہد ہے۔

شمالی کشمیر کے لولاب کپواڑہ جیسے غیرت مند علاقے میں آنکھ کھولنے والے ڈاکٹر منان وانی نے ابتدائی تعلیم مقامی اداروں میں حاصل کی اور بعد ازاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسے عظیم علمی مرکز سے اعلیٰ تعلیم مکمل کی۔ یہاں انہوں نے نہ صرف اپنی علمی صلاحیتوں کو جلا بخشی بلکہ فکری اور نظریاتی طور پر بھی اپنی قوم کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل کی جستجو کی۔ نوجوانی کے اس دور میں وہ قلمی جدوجہد کے ذریعے دنیا کو کشمیر کے حالات سے آگاہ کرنے لگے۔ ان کے مضامین اور مقالات قومی و بین الاقوامی اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہے جن میں بھارتی ریاستی جبر، انسانی حقوق کی پامالی اور کشمیری عوام کی آرزوں کو نہایت سنجیدہ اور مدلل انداز میں پیش کیا گیا۔

ڈاکٹر منان وانی شہیدؒ کی زندگی کا اہم موڑ وہ تھا جب انہوں نے قلم سے بندوق کی جانب سفر کیا۔ یہ کوئی جذباتی یا وقتی فیصلہ نہ تھا

بلکہ برسوں کی فکری جدوجہد اور کشمیری عوام کی مسلسل قربانیوں نے انہیں اس نتیجے پر پہنچایا کہ قلم کی طاقت اگرچہ عظیم ہے مگر جب دشمن بندوق سے نسلوں کو مٹانے پر تلا ہو تو اس کے جواب میں بندوق اٹھانا ہی عین فطرت اور انصاف ہے۔ انہوں نے حزب المجاہدین میں شمولیت اختیار کر کے سید صلاح الدین کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا اور عملی محاذ پر اتر کر اپنی جان کو اپنی قوم کی آزادی کے لیے نذر کر دیا۔

ان کے اور شہید سید علی گیلانیؒ کے درمیان فکری اور قلبی تعلق بھی نمایاں تھا۔ گیلانی صاحبؒ کے نزدیک ڈاکٹر منان وانیؒ جیسے تعلیم یافتہ نوجوان تحریک کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ گیلانی صاحبؒ کی استقامت اور مزاحمتی فکر نے ڈاکٹر منان وانی کو راستہ دکھایا اور یہی فکر ان کے لیے عملی میدان میں رہنما بنی۔ اسی طرح سید صلاح الدین جیسے رہنما کی مسلح جدوجہد نے انہیں عسکری

مزاحمت کی طرف مائل کر دیا۔ یوں وہ ایک پل کی مانند تھے جو فکری اور عسکری جدوجہد کے درمیان ربط قائم کرتے رہے۔

اکتوبر 2018 میں بھارتی فوج کے ہاتھوں شہادت نے ڈاکٹر منان وانی کے کردار کو امر کر دیا۔ ان کی شہادت پر پوری وادی غمزدہ ہوئی تاہم نوجوان نسل کے دلوں میں یہ احساس گہرا ہوا کہ تعلیم یافتہ طبقہ جب اپنی قوم کی خاطر سب کچھ قربان کر سکتا ہے تو باقیوں پر بھی اس جدوجہد میں شریک ہونا لازم ہے۔ ڈاکٹر منان وانی شہیدؒ کی زندگی ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ حقیقی دانشور وہ نہیں جو کتابوں تک محدود ہو جائے بلکہ وہ ہے جو اپنے علم کو اپنی قوم کے دکھ درد کا مداوا کرنے کے لیے بروئے کار لائے۔ انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ فکری مزاحمت اور عملی جدوجہد دراصل ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ آج بھی ان کی تحریریں اور ان کا کردار کشمیری نوجوانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں تعلیم اور قربانی دونوں کا امتزاج ضروری ہے۔

ڈاکٹر منان وانی شہیدؒ کی حیات و شہادت ایک عہد کا استعارہ

ان کے اور شہید سید علی گیلانیؒ کے درمیان فکری اور قلبی تعلق بھی نمایاں تھا۔ گیلانی صاحبؒ کے نزدیک ڈاکٹر منان وانیؒ جیسے تعلیم یافتہ نوجوان تحریک کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ گیلانی صاحبؒ کی استقامت اور مزاحمتی فکر نے ڈاکٹر منان وانی کو راستہ دکھایا اور یہی فکر ان کے لیے عملی میدان میں رہنما بنی۔ اسی طرح سید صلاح الدین جیسے رہنما کی مسلح جدوجہد نے انہیں عسکری مزاحمت کی طرف مائل کر دیا۔ یوں وہ ایک پل کی مانند تھے جو فکری اور عسکری جدوجہد کے درمیان ربط قائم کرتے رہے۔

ہے۔انہوں نے اپنے قلم اور عمل دونوں سے یہ ثابت کیا کہ کشمیر کی تحریک محض ایک وقتی ردِعمل نہیں بلکہ صدیوں کی غلامی کے خلاف ایک شعوری اور منظم جدوجہد ہے۔ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہونے کے باوجود انہوں نے دنیاوی آسائشوں کو پس پشت ڈال کر اپنی قوم کے درد کو اپنا درد بنایا اور اسی راہ میں جان نثار کر دی۔ان کی زندگی کا ہر پہلو اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ تحریک آزادی کشمیر محض ایک سیاسی نعرہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جسے قربانیوں سے دوام ملتا ہے۔

ڈاکٹر منان وانی شہیدؒ کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ انہوں نے صرف بندوق کا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ بندوق سے پہلے قلم کے ذریعے فکری محاذ پر بھرپور جنگ لڑی۔ان کے مضامین ایک تعلیم یافتہ ذہن کی گہرائی اور ذمہ داری کا آئینہ دار تھے، جہاں وہ نہ صرف بھارتی ریاستی پالیسیوں کو بے نقاب کرتے بلکہ کشمیری عوام کی امنگوں اور ان کے دکھوں کو عالمی سطح پر اجاگر کرتے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں تحقیقی اور علمی حلقوں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ان کی زندگی کا یہ پہلو کشمیری نوجوانوں کے لیے ایک عملی سبق ہے کہ علم اور تعلیم کو محض روزگار کے حصول تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ علم کو قوم کی تعمیر، مزاحمت اور آزادی کے خواب کی تکمیل میں شریک کیا جائے۔آج جب دنیا کو یہ باور کرانے میں مشکلات پیش آتی ہیں کہ کشمیری عوام کی جدوجہد منصفانہ اور اصولی ہے، تو ڈاکٹر منان وانی جیسے تعلیم یافتہ افراد کی قربانیاں اس جدوجہد کو جواز فراہم کرتی ہیں اور عالمی رائے عامہ کو متوجہ کرتی ہیں۔

ڈاکٹر منان کا یہ بھی کمال تھا کہ وہ نہ صرف اپنی قوم کے حالات پر غور کرتے تھے بلکہ اسلامی تاریخ اور مزاحمتی تحریکوں کا مطالعہ بھی رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے فیصلے وقتی جوش کا نتیجہ نہیں بلکہ گہری فکری سوچ اور تاریخی پس منظر کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔کشمیر کی نئی نسل کے سامنے جب ڈاکٹر منان وانیؒ کی زندگی اور شہادت کا نمونہ آتا ہے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوتی ہے کہ آزادی کے خواب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے قربانی سے کوئی مفر نہیں۔ان کی حیات اس حقیقت کا عملی نمونہ ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان اگر اپنی قوم کے مستقبل کو سنوارنے کے لیے میدان میں اتر آئیں تو بڑی سے بڑی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔وہ علم اور عمل کے امتزاج کی ایسی زندہ مثال ہیں جو ہمیشہ تحریک کشمیر کے رہنما اصولوں میں شامل رہے گی۔

ڈاکٹر منان وانی شہیدؒ کی زندگی ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ حقیقی دانشور وہ نہیں جو کتابوں تک محدود ہو جائے بلکہ وہ ہے جو اپنے علم کو اپنی قوم کے دکھ درد کا مداوا بنانے کے لیے بروئے کار لائے۔انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ فکری مزاحمت اور عملی جدوجہد دراصل ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔آج بھی ان کی تحریریں اوران کا کردار کشمیری نوجوانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں تعلیم اور قربانی دونوں کا امتزاج ضروری ہے۔

ان کی قربانی دراصل ایک پیغام ہے کہ اگرچہ دشمن نے وادی کشمیر کو خون میں نہلانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا، مگر اس قوم کی رگوں میں بہنے والا خون اور اس کے شہیدوں کی لاشیں دشمن کی تمام سازشوں پر پانی پھیرتی رہیں گی۔ان کی حیات ایک ایسا درخشاں باب ہے جو تحریک آزادی کشمیر کو آئندہ صدیوں تک رہنمائی فراہم کرتا رہے گا۔ان کی فکر اور قربانی نئی نسل کو یہ یقین دلاتی ہے کہ مزاحمت کی روایت محض ماضی کا سرمایہ نہیں بلکہ مستقبل کی ضمانت بھی ہے۔

ان کی زندگی کا یہ پہلو کشمیری نوجوانوں کے لیے ایک عملی سبق ہے کہ علم اور تعلیم کو محض روزگار کے حصول تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ علم کو قوم کی تعمیر، مزاحمت اور آزادی کے خواب کی تکمیل میں شریک کیا جائے۔آج جب دنیا کو یہ باور کرانے میں مشکلات پیش آتی ہیں کہ کشمیری عوام کی جدوجہد منصفانہ اور اصولی ہے، تو ڈاکٹر منان وانی جیسے تعلیم یافتہ افراد کی قربانیاں اس جدوجہد کو جواز فراہم کرتی ہیں اور عالمی رائے عامہ کو متوجہ کرتی ہیں۔

کمانڈر سیف الرحمن باجوہ:۔۔۔ایک عظیم جری سپاہی

عبدالحمید ڈار

وادی کشمیر کی خون آلود سرزمین پر ایک ایسا مجاہد گزرا جس کی رگ رگ میں ایمان کی حرارت، جہاد کا ولولہ اور شہادت کی تمنا موجزن تھی۔ یہ تھا سیف الرحمن باجوہ، جو خالد سیف اللہ کے نام سے جانا گیا۔ اس کی زندگی اللہ کی راہ میں قربانی، ایثار اور عظیم مقصد کے لیے جدوجہد کا ایک روشن باب ہے۔ اس کے والدین کی دعاؤں، اس کی بے لوث جدوجہد اور اس کی شہادت کی داستان ہر اس دل کو جھنجھوڑتی ہے جو حریت، ایمان اور دین کے لیے جینا جانتا ہے۔ 12 اگست 1972 کو صادق آباد میں پیدا ہونے والے سیف الرحمن باجوہ ایک معزز، دیندار اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد خلیل الرحمن نے اپنے بڑے بیٹے عبدالرحمن سے ملتے جلتے نام کی مناسبت سے ان کا نام سیف الرحمن رکھا۔ یہ خاندان اپنی اسلامی روایات، سخاوت، غریب پروری اور انسان دوستی کے لیے مشہور تھا۔ ان کے اسلاف میں ڈاکٹر سلیم شہید جیسے عظیم کردار شامل تھے، جن کی ایثار، بے لوث خدمت اور دین کی خاطر قربانی کی مثالیں علاقے میں زبان زد عام تھیں۔ سیف کو یہ صفات ورثے میں ملیں، جو اس کی شخصیت کا لازمی حصہ بن گئیں۔ سیف الرحمن بچپن سے ہی ذہین، ہونہار اور غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ اس کا دمکتا چہرہ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی غزالی آنکھیں اور مسکراہٹ سے بھری معصوم شخصیت ہر دل کو موہ لیتی تھی۔ اسکول میں وہ نہ صرف تعلیمی میدان میں نمایاں رہا بلکہ مڈل اور میٹرک کے امتحانات میں اعلیٰ درجے حاصل کر کے وظائف کا مستحق بھی ٹھہرا۔ اس کی ذہانت اس کے اساتذہ اور ہم جماعتوں کے لیے باعث حیرت تھی۔ لاہور کے ایف سی کالج میں سائنس کے شعبے میں داخلہ لینے کے بعد اس کی ذہنی پرواز بلند سے بلندتر ہوتی چلی گئی۔ وہ سائنس کا طالب علم ہونے کے باوجود بین الکلیاتی مذاکروں، مباحثوں اور خطابت میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتا تھا۔ اس کی گفتگو میں اسلامی تاریخ، مجاہدین کی سوانح اور جہاد کے تئیں گہرا لگاؤ جھلکتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا کہ اس کی روح شہادت کی تمنا سے بے

کمانڈر سیف اللہ باجوہ

قرار ہے۔ سیف کی روح میں جہاد کا جذبہ بچپن سے ہی موجزن تھا۔ وہ علامہ اقبالؒ کے شاہین کی مانند پرواز کے خواب دیکھتا تھا۔ اس کے دل میں اقبالؒ کے یہ اشعار گونجتے تھے۔

تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں
گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

1989ء میں جب سوویت یونین نے افغانستان پر قبضہ کر رکھا تھا، سیف نے اپنے والدین سے جہاد میں شامل ہونے کی اجازت مانگی۔ اس کے والدین نے اس کے عزم اور جذبے کو دیکھتے ہوئے اجازت دے دی، حالانکہ وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرے۔ سیفؒ نے افغانستان میں گوریلا جنگ کی سخت تربیت حاصل کی اور روس کے خلاف مجاہدین کے شانہ بشانہ لڑائی لڑی۔ وہ سرد وادیوں اور گرم میدانوں میں دشمن سے نبرد آزما رہا۔ اس کی جرأت اور بہادری نے اسے مجاہدین میں ایک منفرد مقام دلایا۔ جب روس پسپا ہوا اور اس کا شیرازہ بکھر گیا تو سیف واپس وطن لوٹ آیا لیکن اس کی روح ابھی بھی بے قرار تھی۔ قرآنی آیات اور جہاد کے احکامات اس کے دل و دماغ پر چھا گئے۔ وہ کہتا

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

1991ء میں سیف نے اپنا رخ وادی کشمیر کی طرف موڑا۔ وہ آزاد کشمیر سے ہوتا ہوا مقبوضہ کشمیر پہنچا، جہاں بھارتی فوج کے مظالم عروج پر تھے۔ سات لاکھ سے زائد فوج نے کشمیر کی جنت نظیر کو جہنم زار بنا رکھا تھا۔ سیف نے حزب المجاہدین کے ایک ذمہ دار کمانڈر کی حیثیت سے مختلف محاذوں پر دشمن سے مقابلہ کیا۔ کبھی سرینگر کے نواح میں، کبھی جموں کی گھاٹیوں میں، کبھی اسلام آباد کے سبزہ زاروں میں اور کبھی کشمیر کی بلند و بالا چوٹیوں پر وہ دشمن کو للکارتا رہا۔ اس نے اپنے جوانوں کو گوریلا

اگست 1972 کو صادق آباد میں پیدا ہونے والے سیف الرحمن باجوہ ایک معزز، دیندار اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد خلیل الرحمن نے اپنے بڑے بیٹے عبدالرحمن سے ملتے جلتے نام کی مناسبت سے ان کا نام سیف الرحمن رکھا۔ یہ خاندان اپنی اسلامی روایات، سخاوت، غریب پروری اور انسان دوستی کے لیے مشہور تھا۔ ان کے اسلاف میں ڈاکٹر سلیم شہید جیسے عظیم کردار شامل تھے، جن کی ایثار، بے لوث خدمت اور دین کی خاطر قربانی کی مثالیں علاقے میں زبان زد عام تھیں۔ سیف کو یہ صفات ورثے میں ملیں، جو اس کی شخصیت کا لازمی حصہ بن گئیں

جب اس کے والدین عمرے پر گئے تو اس کی واحد درخواست تھی کہ وہ اس کی شہادت کے لیے دعا کریں۔ انہوں نے بیت اللہ شریف میں دعا مانگی اے اللہ! سیف کو دشمن کی قید میں شہادت نہ دینا، بلکہ مقابلے میں سینہ سپر ہو کر شہادت کا مرتبہ عطا کرنا۔ سیف الرحمانؒ خود بھی کہتا تھا کہ وہ اپنے والدین کو عمرے پر لے جائے گا، لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ اس کی گفتگو میں شہادت کی تمنا ہر وقت جھلکتی تھی۔ ایک بار جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ شہادت چاہتا ہے، تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا یہی میری دلی تمنا ہے۔

حملوں کی تربیت دی، دشمن کے منصوبوں کو ناکام بنایا اور بھارتی فوج کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس کی حکمت عملی، بہادری اور تدبر نے اسے مجاہدین میں ایک عظیم رہنما بنا دیا۔ وہ شہید امام سید علی گیلانیؒ اور سید صلاح الدین کی ہدایات پر عمل کرتا اور اپنی حکمت عملی کو حالات کے مطابق ڈھالتا رہا۔

سیف کی زندگی سادگی، عاجزی اور جہاد کے لیے وقف تھی۔ وہ صرف دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ جیتا، جو مجاہدانہ لباس کے مظہر تھے۔ وہ کہتا تھا کہ پرندے اور درویش اپنی گرفت میں سامان زیست نہیں رکھتے، اللہ خود ان کا انتظام کرتا ہے۔ اس نے قرآن مجید کے کئی سپارے حفظ کیے اور غزوات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ "تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں،

سائنس کا طالب علم ہونے کے باوجود بین الکلیاتی مذاکروں، مباحثوں اور خطابت میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتا تھا۔ اس کی گفتگو میں اسلامی تاریخ، مجاہدین کی سوانح اور جہاد کے تئیں گہرا لگاؤ جھلکتا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا کہ اس کی روح شہادت کی تمنا سے بے قرار ہے۔ سیف کی روح میں جہاد کا جذبہ بچپن سے ہی موجزن تھا۔ وہ علامہ اقبالؒ کے شاہین کی مانند پرواز کے خواب دیکھتا تھا۔

عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو کہتے ہیں اے خدا ہمیں اس بستی سے نکال، جہاں کے لوگ بڑے ظالم و جفاکار ہیں"۔ (النساء) اس آیت اور اس جیسی آیات کو اپنی زندگی کا محور بنایا۔ جب اس کے والدین عمرے پر گئے تو اس کی واحد درخواست تھی کہ وہ اس کی شہادت کے لیے دعا کریں۔ انہوں نے بیت اللہ شریف میں دعا مانگی اے اللہ! سیف کو دشمن کی قید میں شہادت نہ دینا، بلکہ مقابلے میں سینہ سپر ہو کر شہادت کا مرتبہ عطا کرنا۔ سیف الرحمانؒ خود بھی کہتا تھا کہ وہ اپنے والدین کو عمرے پر لے جائے گا، لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ اس کی گفتگو میں شہادت کی تمنا ہر وقت جھلکتی تھی۔ ایک بار جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ شہادت چاہتا ہے، تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا یہی میری دلی تمنا ہے۔ اکتوبر 2003ء میں وادی کشمیر میں سیف اللہؒ ایک غدار کی مخبری پر بھارتی فوج کے نرغے میں آگیا۔ تنہا سفر کرتے ہوئے اس نے دشمن سے مقابلہ کیا اور جام شہادت نوش کیا۔ بی بی سی اور جیو ٹیلی ویژن نے اس کی شہادت کی خبر نشر کی۔ حزب المجاہدین کے سربراہ سید صلاح الدین نے تصدیق کی کہ سیف نے راہ حق میں اپنی جان نچھاور کردی۔ اس کے والد خلیل الرحمن باجوہ نے اپنے بیٹے کی شہادت پر فخر کیا اور کہا کہ عمرے پر ہم نے ان کیلئے شہادت کی ہی دعا مانگی تھی۔ فرمایا ان کے لیے یہ اعزاز ہے کہ ان کا بیٹا اللہ کے ساتھ کیئے عہد کو نبھا گیا۔ سیف الرحمن کی شہادت کی داستان وادی کشمیر کے کوہساروں، سبزہ زاروں اور ندی نالوں میں گونجتی ہے۔ وہ ایک شاہین تھا جس نے آسمانوں کی پرواز کو اپنا مقدر بنایا۔ اس کی زندگی اور شہادت ہر اس شخص کے لیے مشعل راہ ہے جو ظلم کے خلاف سینہ سپر ہونے کا عزم رکھتا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

سیف الرحمن باجوہؒ کی داستان ہر اس دل میں ولولہ بیدار کرتی ہے جو دین، حریت اور ایمان کے لیے جینا جانتا ہے۔ اس کی شہادت ایک عظیم ورثہ ہے جو آنے والی نسلوں کو راہ دکھاتی رہے گی۔ وہ ایک ایسی شمع تھا جس نے ظلم کی تاریکی میں روشنی بکھیری اور اپنی جان قربان کر کے دین کی سربلندی کا فریضہ ادا کیا۔ اس کی زندگی ہر اس جوان کے لیے ایک عظیم درس ہے جو اپنے ایمان اور دین کے لیے جہاد کی راہ پر گامزن ہونا چاہتا ہے۔ سیف الرحمان کی شہادت نہ صرف اس کے خاندان بلکہ پوری امت کے لیے ایک سرمایہ ہے جو ہمیشہ دلوں میں جہاد کا جذبہ بیدار کرتی رہے گی۔

کشمیر و فلسطین... دو زخم، ایک کہانی

سرینگر سے غزہ تک لہو میں ڈوبی داستان غم، وادی اور ساحل کی چیخ، آزادی کے خواب کا خون

برف پوش وادئ کشمیر اور غزہ کے ساحلوں کی جلتی ریت کا تقابلی منظر لہو میں ڈوبا ہوا ضمیر انسانی کا نوحہ

ظلم کی گونج، سرینگر کی گلیوں سے غزہ کے ملبے تک پھیل چکی مگر کیا دنیا بہری ہو چکی ہے؟

سید عمر اویس گردیزی

وہ سرزمینیں جن کے دل سے کبھی تہذیب کی خوشبو اٹھتی تھی، اب خون کی بخارات سے دھواں ہو کر اٹھتی ہیں؛ وہاں صبح کا سورج جب اُبھرتا ہے تو برف کی سفیدی نہیں، زخموں کی سرخی آتی ہے۔ دریا اپنی روانی میں نوحہ گھول چکے ہیں، پہاڑ اپنی چوٹیوں پر قبروں کے سائے سجا کر بیٹھے ہیں، اور ہوا ہر سانس کے ساتھ کسی ماں کی گمشدہ آواز کا نوحہ لے کر گزرتی ہے۔ وہاں کے لوگ قبر اور گھر کے درمیان جا بجا رہے ہیں، وہ لوگ جو کبھی نان و نمک کے ضامن تھے، اب کفن کے بانٹنے والے ہیں۔ بچوں کے ہونٹوں پر لوری کے بدلے خون کے دھبے ہیں، بوڑھوں کی زبانیں صمت کی صدا بن کر رہ گئی ہیں، اور عورتیں ایسی لوری گاتی ہیں کہ سننے والا صدیوں کا قصہ بھول جائے۔ ظلم نے ان خطوں میں نہ صرف جسموں کو کھودا ہے بلکہ زبانوں کو بھی چیر دیا؛ الفاظ جو کبھی محبت تھے، اب جرم کہلائے جاتے ہیں، دعائیں جرم ہیں، اور آنسو بغاوت کا ثبوت۔

وہ قوتیں جو انصاف کے نام کا حلیہ اوڑھ کر آئیں، وہاں کے دکھ سے تماشہ بنانے کے ماہر ہو گئیں، انہیں قانون اور قرار دادیں زیب دیتی ہیں مگر ان کے ہاتھوں سے خون کی سیاہی نہیں چھوٹتی۔ یہاں ظلم کا محض ایک پہلو نہیں۔۔ یہ ایک پوری تیزاب آلود روایت ہے جس نے نسل در نسل کی امیدوں کو جلا کر راکھ بنا دیا۔ وہ راکھ جس کے درمیان مٹی کے ٹکڑے بچے کھچے خوابوں کی مانند پڑے رہتے ہیں، کبھی ہنسنے والے، کبھی سوئے ہوئے، مگر اب ہمیشہ رونے والے۔ اور جب رات رک کر دھڑکتی ہے تو ستارے بھی منہ چھپا کر بیٹھ جاتے ہیں، جیسے خلاف انصاف کی فضا میں روشن رہنے سے عار محسوس کرتے ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب زمین خود اپنی چیخیں دبائے ہوئے ہے، جب آسمان نے کانوں پر پٹی باندھ رکھی ہے، تو انسانیت کی ضعیف سی آواز کون سنے گا؟ وہ سرزمینیں جہاں صبح کا سورج زخموں کی سرخی لے کر طلوع ہوتا ہے۔ جہاں دریا اپنی روانی میں نوحے بہاتے ہیں اور پہاڑ قبروں کے سائے اوڑھے بیٹھے ہیں۔ جہاں محبت کا لفظ جرم، دعا غداری، اور آنسو بغاوت کی علامت بنا دیا گیا۔ وہ خطے جہاں ظلم روایت، اور نا انصافی قانون کے نام پر مسلط کر دی گئی۔ جہاں خواب جلتے ہیں اور امیدیں راکھ ہو کر زمین پر بکھر جاتی ہیں۔ وہ دنیا جس نے اپنی آنکھوں پر پٹی، اور کانوں پر پٹاخے کی آوازوں کے آگے خاموشی کی مہر لگا دی۔ انسانیت آج سوال کر رہی ہے کہ کب تک یہ زمین خون پیے گی اور آسمان خاموش رہے گا؟

سرینگر کی یخ بستہ فضاؤں میں بہنے والا خون اور غزہ کے تپتے ہوئے ساحل پر ٹپکتی ہوئی آنکھوں کے آنسو، یہ محض دو جغرافیے نہیں، یہ انسانیت کی اجتماعی قبریں ہیں۔ کشمیر کی برف پوش چوٹیوں پر جب برف سرخی مائل ہو جاتی ہے تو وہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ یہاں ہر موسم بہار کے بعد ایک نیا ماتم ہوتا ہے۔ اور غزہ کی ریت جب بارود کی بارش سے جل کر سیاہ ہو جاتی ہے تو گویا زمین خود اپنی کوکھ پر ماتم کرتی ہے۔ یہ دونوں خطے ایسے آئینے ہیں جن میں دنیا کی منافقت اور ضمیر کی مردنی کھل کر دکھائی دیتی ہے

سرینگر کی یخ بستہ فضاؤں میں بہنے والا خون اور غزہ کے تپتے ہوئے ساحل پر ٹپکتی ہوئی آنکھوں کے آنسو، یہ محض دو جغرافیے نہیں، یہ انسانیت کی اجتماعی قبریں ہیں۔ کشمیر کی برف پوش چوٹیوں پر جب برف سرخی مائل ہو جاتی ہے تو وہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ یہاں ہر موسم بہار کے بعد ایک نیا ماتم ہوتا ہے۔ اور غزہ کی ریت جب بارود کی بارش سے جل کر سیاہ ہو جاتی ہے تو گویا زمین خود اپنی کوکھ پر ماتم کرتی ہے۔ یہ دونوں خطے ایسے آئینے ہیں جن میں دنیا کی منافقت اور ضمیر کی مردنی کھل کر دکھائی دیتی ہے۔

ایک طرف وادئ کشمیر ہے، جو صدیوں سے تہذیبوں کا سنگم اور حسنِ فطرت کا استعارہ تھی، مگر آج وہاں بندوقوں کی گھن گرج اور خوف کی چاپ ہے۔ دوسری طرف غزہ ہے، جو کبھی زیتون اور گندم کی مہک سے بھرا ہوا ساحل تھا، مگر آج وہاں ملبے کے ڈھیر اور یتیموں کی چیخیں ہیں۔ یہ دونوں داستانیں الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ ان کے زخم مشترک ہیں، ان کی چیخیں یکساں ہیں، ان کی ماؤں کے آنسو ایک ہی رنگ کے ہیں اور ان کی زمینیں ایک ہی ظالم کے پنجے تلے کراہ رہی ہیں۔ اگر سرینگر اور غزہ کو ایک ہی کتاب کے دو باب کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ دونوں کی کہانیاں نو آبادیاتی سامراج کی چالوں سے جڑی ہیں۔ کشمیر کو برصغیر کی تقسیم کے وقت دھوکہ دیا گیا، اور فلسطین کو سامراجی طاقتوں نے وعدوں اور معاہدوں کی صلیب پر چڑھا دیا۔ دونوں خطوں کو ''تنازع'' کہا گیا تاکہ ظالم کا قبضہ قانونی دکھائی دے، اور مظلوم کی چیخیں شور سمجھی جائیں۔ کشمیر میں بھارتی

فوج کا بوٹ، اور فلسطین میں اسرائیلی ٹینک، دونوں ایک ہی مقصد کے لیے حرکت میں ہیں۔۔۔زمین چھیننا، نسل بدلنا، تاریخ مٹانا۔کشمیر میں آبادیاتی تناسب بگاڑنے کے لیے نئے قوانین، اور فلسطین میں یہودی بستیوں کی تعمیر، یہ وہ طریقے ہیں جو سامراجی ایجنڈے کی ایک ہی کاپی سے نقل کیے گئے ہیں۔ یہ مماثلتیں محض اتفاق نہیں بلکہ عالمی طاقتوں کی وہ مشترکہ حکمتِ عملی ہیں جو کمزور اقوام کو غلام بنانے کے لیے رچی گئی ہیں۔ دونوں خطوں کے عوام کو زندہ درگور رکھنے کے لیے ظلم کے نئے نئے ہتھکنڈے ایجاد کیے گئے، تاکہ وہ نہ آزادی کی سانس لے سکیں، نہ اپنی شناخت باقی رکھ سکیں۔

کشمیر کی کہانی شروع ہوتی ہے 1947 کی تقسیم سے، جب ریاست کے عوام کی خواہشات کے برعکس بھارت نے فوجی قبضہ کیا۔ سلامتی کونسل کی قراردادیں محض کاغذ پر رہ گئیں، اور کشمیری عوام کی قربانیاں دیمک زدہ فائلوں میں دفن ہوگئیں۔ ہر الیکشن، ہر وعدہ، ہر معاہدہ ایک دھوکہ تھا۔کشمیر کو جمہوریت کا حصہ بتایا گیا مگر وہاں بندوق کی نوک پر خاموشی مسلط کی گئی۔ فلسطین کی کہانی اور بھی پرانی ہے۔ بالفور ڈیکلریشن کے نام پر ایک ایسی سازش رچی گئی جس نے پوری ملتِ عرب کے قلب میں خنجر گھونپ دیا۔ وہاں یہودی ریاست کے قیام کا وعدہ کیا گیا اور مقامی فلسطینیوں کو اپنی ہی زمین پر اجنبی بنا دیا گیا۔ نا صرف ان کے گھروں پر قبضہ کیا گیا بلکہ ان کی نسلوں کو جلاوطن کر کے پناہ گزین کیمپوں کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ دونوں خطوں کی تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ سامراج کبھی بھی انصاف کا ضامن نہیں ہوتا۔ وہ محض اپنے مفادات کے لیے معاہدے کرتا ہے، اور جب وقت بدلتا ہے تو انہی معاہدوں کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہے۔ کشمیر اور فلسطین دونوں اس سامراجی دھوکے کے زندہ ثبوت ہیں۔کشمیر کی وادی میں جب شام اترتی ہے تو سناٹا محض سکوت نہیں ہوتا بلکہ خوف کی زنجیر ہوتی ہے۔ وہاں ہر کھڑکی کے پیچھے دبکی ہوئی آنکھیں ہیں، جنہیں معلوم ہے کہ کب فوجی بوٹ دروازے توڑ دیں گے۔ بھارتی فوج کے قافلے جب گلیوں سے گزرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے موت کا جلوس ہے جو ہر دروازے پر اپنی دستک چھوڑ جاتا

ہے۔ رات کی تاریکی میں گھروں پر چھاپے، نوجوانوں کو اٹھا کر غائب کرنا، اور پھر اگلے دن ان کی لاشیں کسی نالے کے کنارے ملنا، یہ ہے ''جمہوریت'' کا تحفہ جس پر بھارت فخر کرتا ہے۔ ادھر غزہ کی فضاؤں میں ڈرون کی گھن گرج اور ایف- 16 طیاروں کی گونج وہ موسیقی ہے جو اسرائیلی بربریت کا ترانہ بنی ہوئی ہے۔ ایک ہی رات میں پورے کے پورے محلے ملبے کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔ سوتے ہوئے بچے ملبے کے نیچے سانس لیتے لیتے دم توڑ دیتے ہیں اور مائیں اپنی جھلستی ہوئی گود کو دیکھ کر پتھر ہو جاتی ہیں۔

اسرائیلی ٹینک جب غزہ کی زمین پر چلتے ہیں تو گویا وہ انسانیت کی پسلیاں روند رہے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں مناظر الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی ظلم کی تصویریں ہیں، بس پردے مختلف ہیں۔ کشمیر میں قابض فوج ''پیلٹ گن'' سے آنکھیں چھینتی ہے اور فلسطین ءمیں میزائل پورے جسم کو مٹی میں دفن کر دیتے ہیں۔ مگر مقصد دونوں کا ایک ہے آزادی کی آواز کو کچلنا۔ کشمیر کا ایک بچہ جب اسکول جاتا ہے تو اس کی ماں کو یقین نہیں ہوتا کہ وہ واپس آئے گا یا نہیں۔ وہاں تعلیم گولیوں کے سائے میں دی جاتی ہے۔ کتاب اور بندوق ایک ہی کلاس روم میں موجود ہیں۔ وہ بچہ جس نے ''الف'' سیکھنا تھا، اس کے نصاب میں سب سے پہلے آنسو اور خون لکھ دیا جاتا ہے۔ غزہ میں تو مائیں اپنے بچوں کو بستہ تھما کر نہیں، کفن سی کر روانہ کرتی ہیں۔ وہاں اسکول کی عمارتیں بمباری میں گر جاتی ہیں اور بچوں کی چیخیں پتھروں کے نیچے دب جاتی ہیں۔ ایک ماں نے کہا تھا۔۔۔ہم اپنے بچوں کے جنازے اٹھا اٹھا کر تھک گئے ہیں، مگر دنیا کی آنکھ نہیں کھلتی۔۔۔ کیا یہ محض اتفاق ہے کہ دونوں خطوں میں بچوں کی قبریں بڑوں کی قبروں سے زیادہ ہیں؟ نہیں، یہ سوچی سمجھی نسل کشی ہے۔ بھارت چاہتا ہے کہ کشمیری نوجوان کبھی بڑے نہ ہوں، اور اسرائیل چاہتا ہے کہ فلسطینی بچے کبھی جوان نہ ہوں۔ یہ منصوبہ دراصل کل کی مزاحمت کو آج دفن کرنے کا طریقہ ہے۔ اقوامِ متحدہ کی رپورٹس ہوں یا انسانی حقوق کی تنظیموں کے ریکارڈ، سب یہی کہتے ہیں کہ یہ نسل کشی ہے۔ مگر ان رپورٹس کا انجام محض کاغذ کے ڈھیر میں دفن ہو جانا ہے، جیسے کشمیری اور فلسطینی جنازے مٹی میں دفن ہو جاتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو بھارت اور اسرائیل کی حکمت عملی ایک دوسرے سے نقل شدہ محسوس ہوتی ہے۔ بھارت نے انسدادِ دہشت گردی کے نام پر کشمیریوں کی آزادی کچلی، اور اسرائیل نے یہی بیانیہ فلسطینیوں پر مسلط کیا۔ دونوں نے اپنے ظلم کو دہشت گردی کے خلاف جنگ بنا کر پیش کیا تاکہ عالمی ضمیر کو خاموش کیا جا سکے۔ کشمیر میں محاصرے، غزہ میں ناکہ بندی؛ کشمیر میں فوجی چھاؤنیاں، غزہ میں یہودی بستیاں؛ کشمیر میں شناخت چھینی گئی، غزہ میں زمین چھینی گئی۔ یہ سب کچھ ایک ہی عالمی سامراجی اسکرپٹ کا حصہ ہے۔

اگر کوئی تاریخ کے صفحات پر خون سے لکھے گئے باب کھولے، تو

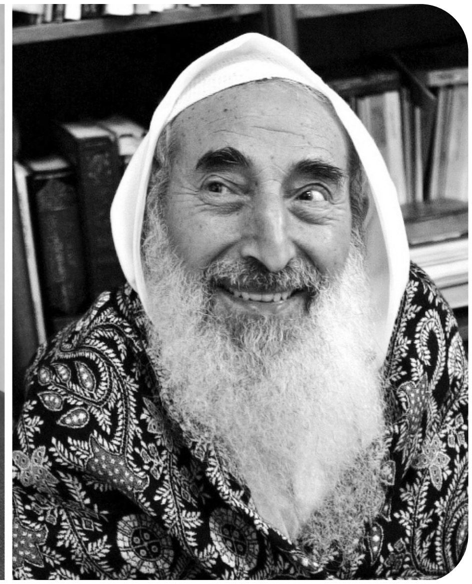

اس کی آنکھوں کے سامنے دو چہرے ابھرتے ہیں؛ ایک وادیٔ کشمیر کا، جہاں ہر صبح کرفیو کے سایوں میں جاگتی ہے، اور دوسرا غزہ کا، جہاں راتیں بمباری کے شعلوں میں جل کر سیاہ راکھ بن جاتی ہیں۔ یہ دونوں خطے گویا ایک ہی داستان کے دو ابواب ہیں، ایک ہی قلم نے لکھے، ایک ہی لہو نے رنگے، اور ایک ہی بے حسی نے انہیں تنہا چھوڑ دیا۔ کشمیر کی وادی میں بہتے جھرنوں کی مدھر سرگم کب کی دب چکی ہے، اب وہاں گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور سائرن کی چیخیں سنائی دیتی ہیں۔ بچے جن کے ہونٹوں پر لوری کے بول ہونے چاہییں، وہ بندوقوں کے دہانے دیکھتے ہیں۔ فلسطین میں ماں اپنے بچے کو گود میں لیتی ہے اور جانتی ہے کہ اگلا لمحہ اس کے جگر کے ٹکڑے کو زمین کے سپرد کر سکتا ہے۔ یہاں آنسوؤں کی زبان ایک ہے، قبرستانوں کا منظر ایک ہے، اور بربادی کا حساب ایک ہی ہے۔ سامراجی طاقتوں کے دوہرے پیمانے دونوں خطوں پر یکساں بوجھ ڈالتے ہیں۔ کشمیر کی مظلومیت کو اندرونی معاملہ کہہ کر دبایا جاتا ہے، اور فلسطین کی بربادی کو دفاعی اقدام کا نام دیا جاتا ہے۔ کہیں آزادی کی صدا کو دہشت گردی کے لیبل سے دفن کیا جاتا ہے، کہیں مزاحمت کے سنگین کو انتہاپسندی کا طعنہ دے کر خاموش کرایا جاتا ہے۔ یہ وہی پیمانہ ہے جو انسانیت کے چہرے کو مسخ کرتا ہے، اور عالمی انصاف کی عدالت کو مذاق میں بدل دیتا ہے۔

اس تقابلی نوحے میں ایک اور قدر مشترک ہے، بے حسی۔ نہ مسلم دنیا اپنی نیند سے جاگتی ہے، نہ عالمی ضمیر اپنے کانوں سے بہرا پن اتارتا ہے۔ کشمیر کے شہیدوں کی لاشیں خاموش احتجاج کرتی ہیں، غزہ کے بچے ملبے تلے دب کر چیختے ہیں، مگر اقوام متحدہ کے ایوانوں میں صرف قراردادوں کے کاغذ اڑتے ہیں۔ اسلام آباد اور رام اللہ کے حکمران صرف بیانات پر اکتفا کرتے ہیں، اور ریاض، قاہرہ، دوحہ کے ایوانوں میں صرف رسمی مذمت کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ یہ خطے صرف زمین کے ٹکڑے نہیں، یہ انسانیت کے امتحان گاہیں ہیں۔ یہاں ہر روز تاریخ کا نیا صفحہ لکھا جاتا ہے اور انسانیت فیل ہوتی جاتی ہے۔ وادیٔ کشمیر اور غزہ، دونوں اس بات کے گواہ ہیں کہ ظالم جب بھی ظلم کرتا ہے، دنیا کی آنکھوں پر مفادات کی پٹی بندھی رہتی ہے۔ اور سوال یہ ہے کہ اگر سرینگر اور غزہ کی لاشیں انسانیت کو نہیں جگا سکتیں تو پھر کون سا منظر، کون سی چیخ، کون سا خون اس پتھر دل دنیا کو جھنجھوڑ سکے گا؟ دنیا کی تاریخ میں کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے مرہم سے نہیں بھرتے، بلکہ ہر دن کے ساتھ رسنے لگتے ہیں۔ کشمیر اور فلسطین کے داغدار چہرے انہی زخموں کی مانند ہیں، ایسے زخم جو نہ صرف زمین کو سرخ کرتے ہیں بلکہ انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ ثبت کر دیتے ہیں۔ کشمیر میں برف پوش چوٹیوں کے دامن میں بہنے والا خون اب زمین کی رگوں میں جم چکا ہے، اور غزہ کے ساحل پر لہراتی لہریں بھی شہید بچوں کی لاشوں کو سہلا سہلا کر واپس کرتی ہیں۔ یہ دونوں خطے سوال بن کر کھڑے ہیں، ایسے سوال جسے نہ عالمی طاقتیں سننا چاہتی ہیں، نہ مسلم امہ جواب دینے کو تیار ہے۔ امام سید علی گیلانیؒ کی استقامت، شبیر احمد شاہ اور آسیہ اندرابی جیسے رہنماوں کے صبر، اور ہزاروں گمنام کشمیری شہیدوں کی قبریں، ایک طرف مشعل راہ ہیں اور دوسری طرف عریاں حقیقت کہ وادی کو خون سے نہلایا گیا مگر قیادتیں محض کرسیوں کی غلام بنیں۔ اسی طرح غزہ کے گلی کوچوں میں شہید شیخ احمد یاسین کی گونج، اسماعیل ہانیہ، ان کے خاندان کے لہو سے لکھی گئی وفاداری، اور ہزاروں فلسطینی بچوں کی قربانیاں چیخ چیخ کر دنیا کو بتاتی ہیں کہ یہ جنگ زمین کی نہیں ضمیر کی جنگ ہے۔ عالمی سامراج کے ایوانوں میں انصاف کی ترازو ٹوٹ چکی ہے۔ کہیں اسرائیل کو کھلی چھوٹ ہے، کہیں بھارت کو اندھا اختیار۔۔ کہیں مزاحمت کار دہشت گرد کہلائے جاتے ہیں، کہیں قابض کو محافظ مانا جاتا ہے۔ یہ وہی ترازو ہے جس پر اقوام متحدہ کے دفتر بند پڑے ہیں اور انسانیت کے کفن لٹکے ہیں۔ اگر کشمیر اور فلسطین کے لاشے اب بھی امت کو نہیں جگا سکے، تو پھر وہ کون سا منظر ہے جو جگا سکے گا؟ اگر شہیدوں کی قربانیاں قیادتوں کو راستہ نہیں دکھا سکتیں تو پھر تاریخ کا فیصلہ سخت ہوگا۔ اور اگر عالمی طاقتیں اب بھی خاموش رہیں، تو کل ان کے ایوان بھی انہی شعلوں میں جلیں گے جنہیں وہ آج نظرانداز کر رہی ہیں۔ آخر میں سوال یہ ہے کہ کیا سرینگر اور غزہ کے بچوں کا خون محض جغرافیے کا مسئلہ ہے یا یہ انسانیت کے ضمیر کا مقدمہ ہے؟ اگر یہ بھی انسانیت کو نہیں جگا سکتا، تو پھر انسانیت کا جنازہ کب اور کہاں پڑھا جائے گا؟ یہ ایک نوحہ ہے، ایک چیخ ہے، ایک سوال ہے کہ کیا انسانیت واقعی مر چکی ہے؟ کیا کشمیری اور فلسطینی لہو محض پانی ہے؟ کیا آنے والی نسلیں ہمیں بھی قصوروار نہ ٹھہرائیں گی؟

آہ میرے بھائی!!!

ریاض احمد خان

رنج سے خُوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

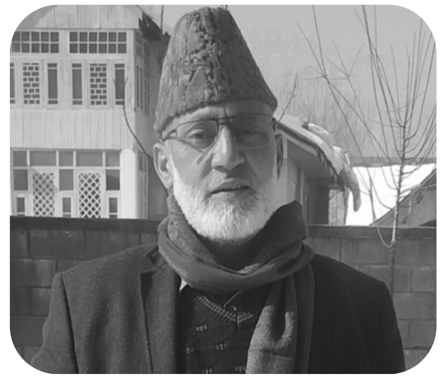

زندگی میں کچھ صدمات ایسے ہوتے ہیں جو روح کو چیر کر رکھ دیتی ہیں جن کے بعد الفاظ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دل کی زبان بھی خاموشی اختیار کرلیتی ہے میرے بھائی کی وفات ایسا ہی ایک زخم ہے جو نہ بھر سکتا ہے، نہ ہی بھلایا جاسکتا ہے۔۔۔پنتیس برس بیت گئے وقت جیسے ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا رہا۔زندگی اپنے نشیب وفراز میں الجھی رہی۔مگر دل کے کسی کونے میں ایک امید زندہ تھی۔۔۔کہ کبھی وہ دن آئے گا جب میں اپنے بھائی کو گلے لگاؤں گا۔۔۔لیکن جب یہ خبر ملی یہ کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں، دل جیسا سن ہوگیا۔آنسو خاموشی سے بہتے رہے۔۔۔الفاظ ساتھ چھوڑ گئے۔۔۔پنتیس برسوں کی دوری کا بوجھ تو سہہ لیا، مگر یہ دائمی جدائی ۔۔۔یہ کرب۔۔۔ناقابل بیان ہے، ہم بچھڑ گئے تھے مگر دل کی دھڑکنوں میں وہ ہمیشہ زندہ رہے، ایک ایسا بھائی جس نے تنہائی کو بھی تنہا کردیا۔جس نے زندگی کو صبر کے کاندھوں پر اٹھائے رکھا اور ہر تکلیف کو چپ چاپ برداشت کرتا رہا۔۔ان پنتیس برس کے عرصے میں وہ کتنے مشکلات ومصائب اور تختہ مشق بنتا رہا اس کا بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں۔۔۔انہوں نے نہ صرف وقت کا سامنا کیا بلکہ ظلم وجبر اور تشدد کی تاریک گلیوں سے گزرے۔۔۔کچھ زخم جسم پر تھے۔۔۔کچھ روح پر۔۔مگر ہر درد وغم میں صبر وشکر کا دامن تھامے اللہ اللہ کرتے رہے۔ وہ صرف میرے بھائی نہ تھے، بلکہ والد کی شفقت، ماں کی دعا، دوست کی ہمدردی اور استاد کی رہنمائی بھی تھے۔ان کے سائے میں زندگی محفوظ لگتی تھی، جب بھی کوئی مشکل آن پڑتی، ایک آواز دیتے اور وہ دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے، ان کی موجودگی میرے لیے حوصلہ، امید اور سکون تھا اج جب ان کی جگہ دیکھتا ہوں دل ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔۔۔وہ قہقے، وہ نصیحتیں، وہ دعائیں۔۔۔سب جیسے وقت کی ایک خاموش قبرستان میں دفن ہوچکی ہیں۔۔۔۔میں اس وقت ایک نہ ختم ہونے والی جدائی کاٹ رہا ہوں، ہزاروں میل دور، اور یہ فاصلہ آج میرے لیے دل پر پہاڑ بن کر گرا ہے۔۔۔مگر اللہ کی رضا پر راضی ہوں۔مرحوم عبدالحیؒ خان کی زبان پر آخری وقت تک ذکر الٰہی جاری تھا کلمات تسبیحات زبان پر ورد کر رہے تھے اور اپنے مرحومین والدین، چچا جان، اور بھائی نجم دین کو یاد کرتے رہے۔آخر پر میں ان تمام احباب، دوستوں اور محسنوں کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں جنہوں نے اس دکھ کی گھڑی میں میرے ساتھ آنسو بہائے اور میرے دل کے زخموں پر مرہم رکھا۔اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور میرے بھائی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ان کے تمام تکالیف کو کفارہ گناہ بنادے اور انہیں ان پیاروں کے ساتھ ملادے جن کی یاد لیے وہ دنیا سے رخصت ہوئے اور ہمیں بھی صبر عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین

لولاب ٹکی پورہ کا زخمی گھرانہ

بن محمد

صحن کے بیچ سفید کفن میں لپٹا برادر عبدالحئیؒ کا جنازہ رکھا تھا۔چاروں طرف سناٹا، مگر اس سناٹے کے بیچ ایک دل دہلا دینے والی آواز گونج رہی تھی۔اے حئیؒ بھائی! تو بھی ہمیں چھوڑ کے چلا گیا؟ یہ آواز برادر عبدالحئیؒ کی بہن کی تھی۔وہ جنازے کے قریب مٹی پر گرگئی تھی۔اس کے ہاتھ بار بار کفن کو تھام لیتے اور پھر بے بسی سے چھوٹ جاتے۔دوسری بہن کفن کے قریب آکر بلک پڑی۔۔۔ہم نے ابا کا جنازہ اٹھایا، ماں کو دفنایا، قیوم بھائی کو کھویا، نجم بھائی کو پردیس میں رو رو کے رخصت کیا......اور اب تیرا جنازہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ یااللہ! ہم پر اتنے امتحان کیوں؟ یہ جملے سن کر پورا مجمع آہ بھرنے لگا۔ بزرگوں کی آنکھیں گیلی ہوگئیں، بچے خوف سے ماں کے دوپٹے میں چھپ گئے۔صحن کی دیواروں نے شاید ایسا رونا بار بار سنا تھا، مگر اس بار یہ چیخیں زمین کو بھی ہلا رہی تھیں۔کل میں اس گھر کے سب سے

چھوٹے ریاض بھائی سے ملا۔ جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا، وہ بھاگ کر آیا اور مجھے گلے سے لگا لیا۔اس کے آنسو میرے کندھوں کو بھگو رہے تھے۔وہ اتنی شدت سے رویا کہ مجھے لگا شاید وہ بے ہوش ہو جائے گا۔وہ بار بار ایک ہی بات دہرا رہا تھا: میں اکیلا رہ گیا......میں سب کچھ کھو بیٹھا......اب میرا سہارا کون ہے؟

میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، مگر میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔میرے دل نے کہا، یہ صرف ایک بھائی کا رونا نہیں، یہ پوری قوم کا نوحہ ہے۔وہ آج بھی پردیس میں در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہے، تحریکِ اسلامی کا ایک کارکن ہے، لیکن اس کے دل پر صدیوں کے غم کا بوجھ ہے۔اس لمحے مجھے لگا جیسے یہ صحن ایک کتاب ہے، جس کے اوراق خون اور آنسوؤں سے لکھے جاچکے ہیں۔

پہلا ورق : قمر الدین خان صاحب کی شہادت۔

دوسرا ورق : برادر عبدالقَیوم کی شہادت۔

تیسرا ورق : برادر نجم الدین کی شہادت۔

اور آج چوتھا ورق : برادر عبدالحئیؒ کی رخصتی۔

اب کتاب کا آخری صفحہ باقی ہے، جس پر اس چھوٹے بھائی کی داستان لکھی جائے گی جو آج بھی زندہ ہے مگر بکھرا ہوا ہے، جو چل رہا ہے مگر ٹوٹا ہوا ہے۔بہنوں کی چیخوں، بھائی کے آنسوؤں اور جنازے کے بینوں کے بیچ ایک ہی صدا گونج رہی تھی: ”انا للہ و انا الیہ راجعون۔“ اللہ قمر الدین خان صاحب، برادر عبدالقَیوم، برادر نجم الدین اور برادر عبدالحئیؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کی بہنوں اور چھوٹے بھائی کو وہ صبر دے جو پہاڑوں سے بھی بھاری ہو۔آمین۔

آپ نے پوچھا ہے!!!...

سوال۔۔۔اگرکسی شخص نے *طلاق صرف کاغذات میں (مثلاً نادرا یا کسی اور دستاویز میں) درج کی ہو، زبانی یا نیتاً طلاق نہیں دی اور یہ سب کچھ صرف کسی قانونی یا دنیاوی فائدے (جیسے امریکہ کا پاسپورٹ لینے) کے لیے کیا ہو، تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب۔۔۔اگر واقعی طلاق کا ارادہ تھا اور طلاق کے الفاظ تحریری طور پر (کسی بھی صورت میں) دیئے گئے، تو طلاق واقع ہو جائے گی، چاہے نادرا کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے۔

اگر محض کاغذی کارروائی کے لیے طلاق لکھی گئی، دل میں طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا، تو جمہور فقہاء کے نزدیک بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ تحریری طلاق بھی ارادہ کے بغیر نافذ ہو سکتی ہے، لہٰذا صرف کاغذات میں طلاق بھی شرعاً طلاق بن سکتی ہے۔

سوال۔۔۔ رجوع ممکن ہے یا نہیں؟

جواب۔۔۔اگر یہ پہلی یا دوسری طلاق ہے، اور عدت کے اندر رجوع کیا گیا تو رجوع ہو جائے گا، نکاح برقرار رہے گا۔ اگر عدت گزر گئی تو نیا نکاح کرنا ہوگا رجوع کے لیے۔ اگر تین طلاقیں دی ہیں، تو رجوع ممکن نہیں۔

سوال۔۔۔انفرادی نماز میں (یعنی اکیلے پڑھنے والے کی نماز میں) اگر کسی دوسرے شخص نے اشارے سے لقمہ دیا (مثلاً قرآن کی آیت بھولنے پر ہاتھ یا آنکھ کے اشارے سے یاد دلایا)، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب۔۔۔اشارہ دینے والے کا حکم۔ اگر وہ شخص نماز میں نہیں تھا اور اس نے اشارے سے لقمہ دیا (یعنی زبان سے کچھ نہ کہا)، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اشارہ کرنا ویسے مکروہ ہے، لیکن ضرورت کے وقت معاف ہے۔ نمازی کا حکم (جس نے اشارہ سمجھا)۔۔ اگر وہ اشارہ سے سمجھ گیا اور اس پر اپنی قرأت درست کرلی، تو نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ بغیر ضرورت کے نماز کی طرف توجہ کرنا مکروہ ہے، لیکن فساد نماز نہیں ہوتا۔

سوال۔۔۔ نماز میں گلہ میں مفلر یا چادر لٹکانا کیسا ہے وضاحت فرمادیں؟

جواب۔۔۔نماز (فرض، نفل یا جنازہ) کے دوران رومال یا چادر گلے میں لٹکانا شرعاً ناجائز یا مکروہ تحریمی نہیں، لیکن مکروہ تنزیہی (ناپسندیدہ) ضرور ہے، بشرطیکہ وہ رومال بلا ضرورت گلے میں لٹکا ہو صرف عادت یا اسٹائل کے طور پر۔ نماز کی خشوع و خضوع میں خلل ڈالے یا لوگوں کی توجہ ہٹائے۔ فقہاء نے نماز میں غیر ضروری کپڑوں کو ایسے انداز سے رکھنا جو تکبر یا بے توجہی کی علامت ہو، مکروہ قرار دیا ہے۔ نماز سے پہلے رومال یا چادر کو ترتیب سے اوڑھ لیا جائے یا کندھے پر رکھ لیا جائے۔ اگر گرمی یا سردی کی کوئی خاص ضرورت ہو تو گلے میں لٹکانا معیوب نہیں۔ نماز جنازہ میں بھی نماز کی تمام شرائط (جسم، کپڑوں کی صفائی، ادب، سکون وغیرہ) کا خیال رکھنا ضروری ہے، لہٰذا وہاں بھی بہتر یہی ہے کہ سنجیدہ، سادہ اور مہذب انداز اپنایا جائے۔

سوال۔۔۔ عقیقہ کا شرعی حکم کیا ہے اگر کوئی فرد دو مرتبہ عقیقہ کرلے تو؟

جواب۔۔۔اگر کسی شخص کے دو مرتبہ عقیقہ ہونا مقصود ہو یعنی پیدائش کے وقت ایک بار عقیقہ ہو چکا ہو اور اب دوبارہ کرنا چاہتے ہیں (مثلاً بطور نفل یا مسنون عمل کی نیت سے تو شرعاً دوبارہ عقیقہ کی کوئی پابندی نہیں۔ عقیقہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ کیا جاتا ہے۔ اگر ایک بار عقیقہ ہو چکا ہو (خواہ ایک بکرے سے یا دو سے) تو دوبارہ کرنے کی حاجت نہیں۔ ہاں اگر پیدائش کے وقت مکمل عقیقہ نہ ہو سکا ہو (مثلاً لڑکے کا ایک بکرا ہوا، دو نہیں ہوئے) تو اب ایک اور بکرا کیا جا سکتا ہے تاکہ سنت مکمل ہو جائے۔

سوال۔۔۔ قبر کی زندگی کے بارے میں دین کیا کہتا ہے؟

جواب۔۔۔قبر کی زندگی (حیات برزخیہ) ایک برحق اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔ میت کو قبر میں وفات کے بعد برزخی حیات عطا کی جاتی ہے، جو دنیاوی حیات سے مختلف لیکن ایک خاص قسم کی شعور والی زندگی ہوتی ہے۔ میت کو دفن کے فوراً بعد سوال و جواب (منکر نکیر) کا مرحلہ پیش آتا ہے۔ نیک لوگ قبر میں راحت اور جنت کی نعمتیں پاتے ہیں۔ گناہ گار یا کافر کے لیے قبر عذاب کا مقام بن جاتی ہے۔ یہ زندگی قیامت تک رہتی ہے، پھر قیامت کے دن دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے (ترمذی)

سوال۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر کی حیات کے بارے میں شریعت کیا حکم کرتی ہے؟

جواب۔۔۔انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ ہوتے ہیں، اور ان کی یہ زندگی حقیقی اور کامل ہوتی ہے، جس میں وہ عبادت بھی کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔۔الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (یعنی انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں (ابوداؤد، صحیح) ان کی یہ حیات دنیاوی جیسے جسم و روح کے ساتھ ہے، لیکن احکام دنیا ان پر لاگو نہیں ہوتے۔ انبیاء کی قبور کی مٹی ان کے جسم مبارک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

سوال۔۔۔مصیبت کے وقت اذان دینے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب۔۔شرعاً اذان فرض نمازوں کے لیے مشروع ہے، اور نومولود بچے کے بائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت دیا جاتا ہے۔۔۔اس کے علاوہ مشروع یا سنت نہیں ہے۔۔۔کسی مصیبت کے خاتمے کے لیے اذان دینا قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہے۔۔۔۔اور احناف کے ہاں اس حوالے سے کوئی رائے منقول نہیں ہے۔۔۔۔البتہ شوافع کے نیز دیک تکالیف، مصائب، شدائد اور عمومی پریشانیوں کے بعض مواقع پر اذان دی جا سکتی ہے۔۔۔۔۔لیکن شوافع بھی اسے باقاعدہ مشروع نہیں سمجھتے بلکہ جائز سمجھتے ہیں۔۔۔۔جو لوگ مصیبت کے وقت اذان کے قائل ہیں وہ کچھ کمزور روایات سے بھی دلیل لیتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے رویت ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بستی میں اذان دی جائے تو اللہ تعالی اس دن

شرعاً اذان فرض نمازوں کے لیے مشروع ہے، اور نومولود بچے کے بائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت دی جاتی ہے۔۔۔اس کے علاوہ مشروع یا سنت نہیں ہے۔۔۔کسی مصیبت کے خاتمے کے لیے اذان دینا قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہے۔۔۔اور احناف کے ہاں اس حوالے سے کوئی رائے منقول نہیں ہے

اسے اپنے عذاب سے امن دے دیتا ہے اس روایت کو صفوان سے سوائے عبد الرحمان بن سعد کے کوئی بیان نہیں کرتا اور بکر بن محمد کا تفرد ہے (برقم 3671 :، معجم الاوسط،) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل ہے کہ علی کہتے ہیں مجھے حضور سیّد عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا ارشاد فرمایا : اے علی! میں تجھے غمگین پاتا ہوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے، اذان غم و پریشانی کی دافع ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوہ المصابیح باب الاذان، جلد دوم ص 149،)احناف کے امام شامیؒ نے اس بنیاد پر کہا ہے کہ ۔۔۔تکالیف، وبا کے خاتمے کے لیے اذان دینے کی گنجائش ہے۔تاہم اس میں درج ذیل شرائط کی رعایت لازم ہے:

(ا)اس عمل کے سنت یا مستحب ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔(ب)اس کو لازم اور ضروری سمجھ کر نہ کیا جائے۔(ج) مساجد میں یہ اذان نہ دی جائے۔(د)ایسی وضع کے ساتھ نہ دی جائے جس سے اذان نماز ہونے کا اشتباہ ہو۔(ڈ)اس کے لیے کسی مخصوص ہیئت اور اجتماعی کیفیت کا التزام نہ کیا جائے۔مذکورہ شرائط کا لحاظ رکھ کر وبا کے خاتمے کے لیے اذان دی جائے تو حکم کے اعتبار سے یہ مباح ہے، سنت یا مستحب نہیں ہے، نیز یہ بطورِ علاج ہے، کوئی عبادت نہیں ہے۔(رد المحتار: کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب فی المواضع التی یندب لہا الأذان فی غیر الصلاۃ، جلد اول ص 385، المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح جلد دوم ص 547)۔۔۔مفتی کفایت اللہ کا اس حوالے سے فتوی ہے کہ۔۔دفعِ وباء کے لیے اذانیں دینا تنہا یا جمع ہو کر بطورِ علاج اور عمل کے مباح ہے، سنت یا مستحب نہیں"۔(کفایت المفتی جلد سوم ص 52)۔۔۔اور فتوی محمودیہ میں ہے کہ۔۔بلا کے دفعیہ کے لیے اذان کہنا ثابت بلکہ مستحب ہے، اور بخار کے دفعیہ کے لیے اذان کہنا ثابت نہیں ہے، شرعاً دفع بلا کے لیے اذان اس طرح کہی جائے کہ اذان نماز کا اشتباہ نہ ہو" (فتوی محمودیہ جلد سوم ص..298۔بریلوی مکتبہ فکر کے احمد رضا خان بھی مصیبت کے وقت اذان کے قائل ہیں ۔۔۔(فتاویٰ رضویہ، جلد پنجم، ص 370،)

لیکن عام علماء عموماً اور اہل حدیث علماء کا خصوصاً کہنا یہ ہے کہ عبادت توقیفی چیز ہے، اذان عبادت ہے، یہ کب کہنا چاہئے، یہ شریعت نے واضح کیا ہے، لہذا فرض نماز اور بچے کے کان کے علاوہ اذان دینا بدعت ہے۔۔

مفتی صاحب سے آپ اس نمبر اور ای میل پر رابطہ کر سکتے ہیں

03005259116
Taibahfoundation1@gmail.com

راہگزر اپنی یہ دھرتی راہگزر سارا جہاں
کھا گئی یہ راہگزر بھی کیسے کیسے آسماں
رازداں اس راہگزر کے شہر خاموشاں سبھی
اجنبی متنفس بھی اجنبی ہیں کارواں
راہرو انساں کی یہ راہگزر ہے جانگداز
گھات میں نادیدہ دشمن امتحاں ہی امتحاں
دھوپ چھاؤں کی کہانی ناگہانی آفتیں
موت کا رقص جاری داستاں ہے خونچکاں
پُر خطر پُر خاریں گر راہگزر کے راستے
راہگزر کے رہنماؐ کی رہنمائی جاوداں
انکساری ،آہ وزاری، بیقراری دیدہ ہے
راہگزر کے راہی کا دیدور ہے قدرداں
جو تلاش زاد راہ کی فکر میں ہیں شادماں
لامکانی وہ مسافر شادماں ہی شادماں
خوب سے ہوگا یقینا خوب تر اپنا سفر
کامراں ہوجائے گی اپنی یہ روشن کہکشاں
دور پُر آشوب میں اعجازؔ اپنی انجمن
راہگزر میں جو بنی ہے راہ حق کی ترجماں

طاہر اعجازؔ

کلام اقبالؒ اور پیام سیدؒ مودودیؒ

سعید احمد

عصر حاضر ملکُ الموت ہے تیرا ، جس نے
قبض کی رُوح تری دے کے تجھے فکر معاش

آپ کا کہنا بجا ہے کہ ایک کافرانہ نظام تمدن وسیاست کے اندر رہتے ہوئے خالص حلال کی روٹی تقریباً محال ہے۔ مگر میں نے وسائل رزق کے معاملے میں حلال وحرام کی تمیز پر اپنے مضامین میں بار بار جو زور دیا ہے، اس سے مقصود یہ نہیں تھا کہ حلال ذرائع یہیں کہیں موجود ہیں۔ لوگ حرام ذرائع کو چھوڑ کر ان کو حاصل کرلیں، بلکہ اس سے میرا مقصود یہ تھا کہ حلال وحرام کی تمیز پیدا ہوجانے کے بعد ایک سچّا مسلمان جب اپنے گردوپیش کا جائزہ لے گا، تب اس کو صحیح اندازہ ہوگا کہ اس کفر کے تسلّط کی بدولت وہ کس طرح چاروں طرف گندگیوں اور نجاستوں میں گھر گیا ہے۔ پھر اگر واقعی وہ پاکیزگی کا خواہاں ہو تو اس کے اندر اس نجاست خیز نظام کو مٹانے اور بدلنے کا شدید جذبہ پیدا ہوگا، اور وہ ہر آن اس نظام سے سخت نفرت و کراہت کرے گا۔

اس اصولی بات کو سمجھنے کے بعد عملی نقطۂ نظر سے ہمارے لیے اگر کچھ ممکن ہے تو صرف یہ کہ زیادہ حرام کو چھوڑ کر کم حرام یا ملوث بہ حرام رزق کو مجبوراً گوارا کریں۔ خالص حلال کی قید کے ساتھ زندگی کا سامان بہم پہنچانا، اس نظام کے اندر رہتے ہوئے ممکن نہیں ہے۔ اب یہ آپ کے حالات پر اور آپ کی قوتوں اور صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ عملاً کون سے ذرائع آپ اختیار کرسکتے ہیں، جن پر حرام کی آمیزش کم سے کم ہو اور آپ موجودہ کافرانہ نظام کے بقا و استحکام میں کم سے کم مددگار بنیں۔ عملاً اس میں کامیابی کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آپ اپنے معیارِ زندگی کو بدلنے کے لیے تیار ہوجائیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ جن کے اندر حلال وحرام کی تمیز پیدا ہو چکی ہے، یہ شرط لگاتے ہیں کہ حلال تو ملے مگر زندگی کا معیار وہی رہے جو حرام خوری کے زمانے میں ہم نے اختیار کیا تھا۔ یہ شرط انھیں مجبوراً اسی حرام خوری میں مبتلا رکھتی ہے۔ حلال خوری پر آدمی قائم اسی وقت رہ سکتا ہے، جب کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرلے کہ کھانا بہر حال حلال ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ پلاؤ ہو یا چٹنی، پہننا بہر حال حلال ہے، خواہ وہ نفیس کپڑے ہوں یا ٹاٹ کا پیوند لگا ہوا گاڑھا۔ (ماہ نامہ ترجمان القرآن، ستمبر1943، رسائل و مسائل، اوّل، ص 92-93)

عام حُریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں آج تو اُس خواب کی تعبیر دیکھ

تقریباً تین صدیوں تک تحقیق و اجتہاد اور حُریتِ فکر ونظر اور

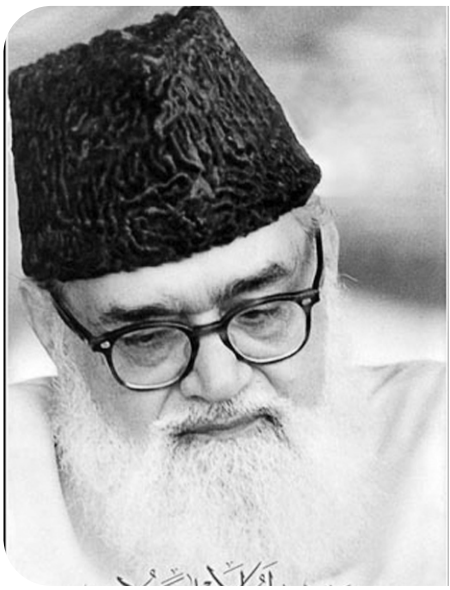

آزادانہ طلب حق کی وہ اسپرٹ مسلمانوں میں پوری شان کے ساتھ باقی رہی، جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین میں پیدا کر گئے تھے۔ اس کے بعد امرا و حکام اور علما و مشائخ کے استبداد نے اس روح کو کھانا شروع کر دیا۔ سوچنے والے دماغوں سے سوچنے کا حق اور دیکھنے والی آنکھوں سے دیکھنے کا حق اور بولنے والی زبانوں سے بولنے کا حق سلب کرلیا گیا۔ درباروں سے لے کر مدرسوں اور خانقاہوں تک ہر جگہ مسلمانوں کو غلامی کی باقاعدہ تربیت دی جانے لگی۔ دل و دماغ کی غلامی، روح وجسم کی غلامی، ان پر پوری طرح مسلط ہوگئی۔ درباروالوں نے اپنے سامنے رکوع اور سجدے کرا کے غلامانہ ذہنیت پیدا کی، اور مدرسے والوں نے خدا پرستی کے ساتھ اکابر پرستی کا زہر دماغوں میں اُتارا۔ خانقاہ والوں نے 'بیعت' کے مسنون طریقے کو مسخ کر کے مقدس غلامی کا وہ طوق مسلمانوں کی گردن میں ڈالا، جس سے زیادہ سخت اور بھاری طوق انسان نے انسان کے لیے کبھی ایجاد نہ کیا ہوگا۔ جب غیر اللہ کے سامنے زمین تک سر جھکنے لگیں، جب غیر اللہ کے آگے نماز کی طرح ہاتھ باندھے جانے لگیں، جب انسان کے سامنے نظر اُٹھا کر دیکھنا سوء ادبی ہوجائے، جب انسان کے ہاتھ اور پاؤں چُومے جانے لگیں، جب انسان انسان کا خداوند اور اَن داتا بن جائے، جب انسان بذاتِ خود امرونہی کا مختار اور کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ کی سند سے بے نیاز قرار دیا جائے، جب انسان خطا سے پاک اور نقص سے بَری اور عیب سے منزہ سمجھ لیا جائے، جب انسان کا حکم اور اس کی رائے اعتقاداً نہ سہی، عملاً اس طرح واجب الاطاعت قرار دے لی جائے، جس طرح خدا کا حکم واجب الاطاعت ہے، تو پھر سمجھ لیجیے کہ اس دعوت سے منہ موڑ لیے گئے، جو : 'ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے (ال عمران 3:64)' کے الفاظ میں دی گئی تھی۔ اس کے بعد کوئی علمی، اخلاقی، روحانی ترقی ممکن ہی نہیں، پستی اور زوال اسی کا لازمی نتیجہ ہے۔ (دسمبر :1936 تفہیمات، اوّل ص89-90)

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرد

جاتا ہے جدھر بندۂ حق، تُو بھی اُدھر جا!

یہ خیال کہ زندگی کا دریا جس رُخ پہ بہہ گیا ہے اس سے وہ پھیرا نہیں جاسکتا، عقلاً بھی غلط ہے اور تجربہ ومشاہدہ بھی اس کے خلاف گواہی دیتا ہے۔ دُنیا میں ایک نہیں سینکڑوں انقلاب ہوئے ہیں اور ہر انقلاب نے اس دریا کے رُخ کو بدلا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ نمایاں مثال خود اسلام ہی میں موجود ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب دُنیا میں تشریف لائے تو زندگی کا یہ دریا کس رُخ پہ بہہ رہا تھا؟ کیا تمام دُنیا پر کفروشرک کا غلبہ نہ تھا؟ کیا استبداد اور ظلم کی حکومت نہ تھی؟ کیا انسانیت کو طبقات کی ظالمانہ تقسیم نے داغ دار نہ بنا رکھا تھا؟ کیا اخلاق پر فواحش، معاشرت پر نفس پرستی، معیشت پر ظالمانہ جاگیرداری وسرمایہ داری، اور قانون پر بے اعتدالی کا تسلّط نہ تھا؟ مگر ایک تن واحد نے اُٹھ کر تمام دُنیا کو چیلنج دے دیا۔ تمام ان غلط خیالات اور غلط طریقوں کو رد کر دیا، جو اس وقت دُنیا میں رائج تھے۔ ان سب کے مقابلے میں اپنا ایک عقیدہ اور اپنا ایک طریقہ پیش کیا، اور چند سال کی مختصر مدت میں اپنی تبلیغ اور جہاد سے دُنیا کے رُخ کو پھیر کر اور زمانے کے رنگ کو بدل کر چھوڑا۔ (مئی 1936: تنقیحات، ص215)

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو!

واقعات کی رفتار دُنیا کو، اور دُنیا کا ایک جز ہونے کی حیثیت سے ہمارے ملک کو بھی ایک ایسے مقام پر لے آئی ہے جہاں سے وہ اسلام کی طرف مڑ بھی سکتی ہے اور مادہ پرستی اور فسادِ اخلاق کے اسفل السافلین کی طرف بھی۔ طبعاً اُس کا رُخ ابھی تک دوسرے راستے کی طرف ہے۔ کیونکہ اس راستے پر وہ ایک مدت دراز سے بڑھتی چلی آرہی ہے۔ اگرچہ اس راستے کے مہالک دیکھ دیکھ کر وہ سہم رہی ہے اور چاروں طرف گھبرا گھبرا کر دیکھتی ہے کہ کوئی بچاؤ کی راہ بھی ہے یا نہیں؟ مگر بچاؤ کی راہ خود اس کی اپنی نگاہوں سے اوجھل ہے۔

وہ درحقیقت اس وقت ایسے لیڈروں کی محتاج ہے جو وقت کے ساتھ اُٹھ کر اُس کی نگاہوں پر سے پردہ اُٹھا دیں اور اسلام کی صراط مستقیم کا واحد راہِ نجات ہونا ثابت ومبرہن کر دیں۔ ایک ایسی مجاہد و مجتہد جماعت اگر مسلمانوں میں پیدا ہوجائے تو مسلمان تمام دُنیا کے پیشوا بن سکتے ہیں۔ ان کو وہی مقام عزت پھر سے حاصل ہوسکتا ہے جس پر وہ کبھی سرفراز تھے اور جس پر مغربی قوموں کو متمکن دیکھ کر آج ان کے منہ میں پانی بھرا چلا آرہا ہے۔ لیکن اگر اس قوم کے جمہور اسی طرح دوں ہمتی و پست حوصلگی کے ساتھ بیٹھے رہے، اگر اس کے نوجوان یونہی غیروں کا پس خوردہ کھانے کو اپنا منتہائے کمال سمجھتے رہے، اگر اس کے علما اپنی انھی پرانی فقہ وکلام کی فرسودہ بحثوں میں اُلجھے رہے، اگر ان کے لیڈروں اور سیاسی پیشواؤں کی ذلیل ذہنیت کا یہی حال رہا کہ لشکرِ اغیار کے پیچھے لگ جانے کو 'مجاہدانہ عزیمت' کا بلند ترین مرتبہ سمجھیں اور سب سے بڑے فریب میں اپنی قوم کو مبتلا کرنا کمال دانش مندی خیال کریں۔ غرض اگر اس قوم کے دست وپا سے لے کر دل ودماغ تک سب کے سب تعطل یا خام کاری ہی میں گرفتار رہیں اور اس کروڑوں کے انبوہ سے چند مردانِ خدا بھی جہاد اور اجتہاد فی سبیل اللہ کے لیے کمر باندھ کر نہ اُٹھ سکیں تو پھر دُنیا جس اسفل السافلین کی طرف جارہی ہے، اُس طبقۂ جہنم میں یہ قوم بھی دنیا کی دم کے ساتھ بندھی بندھی جاگرے گی۔ (مارچ 1938: تنقیحات، ص74-75)

درحقیقت اس وقت ایسے لیڈروں کی محتاج ہے جو وقت کے ساتھ اُٹھ کر اُس کی نگاہوں پر سے پردہ اُٹھا دیں اور اسلام کی صراط مستقیم کا واحد راہِ نجات ہونا ثابت ومبرہن کر دیں۔ ایک ایسی مجاہد ومجتہد جماعت اگر مسلمانوں میں پیدا ہوجائے تو مسلمان تمام دُنیا کے پیشوا بن سکتے ہیں۔ ان کو وہی مقامِ عزت پھر سے حاصل ہوسکتا ہے جس پر وہ کبھی سرفراز تھے اور جس پر مغربی قوموں کو متمکن دیکھ کر آج ان کے منہ میں پانی بھرا چلا آرہا ہے

ضلع کولگام کے دمہال ہانجی پورہ کے گڈر علاقے میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان خونریز معرکہ

کمانڈر عامر احمد ڈار سمیت 2 مجاہدین رتبہ شہادت پر فائز، ایک JCO پربھنت گوڈ سمیت 2 بھارتی فوجی اہلکار ہلاک، میجر ارنو بالی سمیت 3 اہلکار زخمی

مقبوضہ کشمیر کے مختلف مقامات پر این آئی اے اور بھارتی پولیس کے چھاپے۔۔۔ایک درجن کے قریب جائیدادیں ضبط

ہمایوں قیصر

18 اگست 2025۔۔۔ضلع بانڈی پورہ کے علاقے نوگام ملپورہ میں بھارتی فوج نے ایک تلاشی مہم کے دوران دو نوجوانوں عبدالمجید اور عبدالحمید کو گرفتار کرلیا۔فوج نے نوجوانوں کی گرفتاری کا جواز پیش کرنے کے لئے دعویٰ کیا کہ ان سے اسلحہ اور گولہ بارود برآمد کیا گیا ہے۔

18 اگست 2025۔۔۔ضلع پلوامہ کے ترال علاقے میں ایک سرکاری ملازم فاروق احمد نجار کو کالے قانون کے تحت ایک جھوٹے کیس پر نوکری سے برطرف کر دیا گیا ہے۔فاروق نجار کو ایک برس قبل پولیس اسٹیشن کاکہ پورہ میں درج ایک کیس کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تھا۔ضلع جموں کے اکھنور علاقے میں سڑک حادثے میں بھارتی پولیس کا ایک ہیڈ کانسٹیبل نریندر سنگھ ہلاک ہوگیا ہے۔ضلع لداخ کے سیاچن علاقے میں ایک بھارتی فوجی اہلکار ارون ڈیوٹی کے دوران پُراسرار طور پر ہلاک ہوگیا ہے۔

19 اگست 2025۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں قابض حکام نے ایڈووکیٹ بابر قادری کے قتل سے متعلق سیاسی بنیادوں پر قائم کئے گئے مقدمے میں ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے سابق صدر میاں عبدالقیوم کے خلاف کالے قانون یو اے پی اے کے تحت الزامات عائد کیے ہیں۔یاد رہے 77 سالہ میاں عبدالقیوم کو ریاستی تحقیقاتی ادارے ایس آئی اے نے ایک جھوٹے مقدمے میں ملوث کرکے گزشتہ سال جون میں گرفتار کیا تھا۔

ضلع پونچھ میں سرحدی علاقے بالنوئی فارورڈ پوسٹ پر ایک بھارتی فوجی اہلکار کانسٹیبل نروٹے گنپت حادثاتی طور پر اپنی ہی بندوق کی گولی چلنے سے زخمی ہوگیا۔ضلع بارہمولہ کے بنڈی پائین علاقے میں این آئی اے نے پولیس کے ہمراہ ایک چھاپے کے دوران آصف مقبول ڈار ولد محمد مقبول ڈار کی 3 کنال اور 18 مرلے پر مشتمل باغات کی زمین ضبط کرلی جس کی مالیت تقریباً ایک کروڑ روپے ہے۔

23 اگست 2025۔۔۔ضلع شوپیاں کے بہرام ربن گنڈ علاقے میں سٹیٹ انویسٹی ایجنسی SIA نے ایک کشمیری الطاف حسین وگے کو اسکی رہائش گاہ پر چھاپے کے دوران حراست میں لیا گیا۔بھارتی پولیس نے الطاف حسین کی گرفتاری کا جواز فراہم کرنے کیلئے اس پر عسکریت پسندوں کیلئے کام کرنے کا الزام عائد کردیا ہے۔مقبوضہ جموں وکشمیر میں بھارتی حکام نے جماعت اسلامی کے زیر انتظام فلاح عام ٹرسٹ کے نام سے چلنے والے 215 سکولوں کو سرکاری تحویل میں لینے کا حکم دیا ہے۔یاد رہے بھارتی وزارت داخلہ نے جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر پر 2019 میں پابندی عائد کی تھی۔

28 اگست 2025۔۔۔ضلع کپواڑہ کے علاقے میں بھارتی فوج کا ایک حوالدار اقبال علی ڈیوٹی کے دوران پُراسرار طور پر ہلاک ہوگیا۔ضلع بانڈی پورہ کے علاقے گریز نوشہرہ نار کے قریب محاصرے اور تلاشی کی کارروائی کے دوران ایک جھڑپ میں بھارتی فوج نے دو مجاہدین بگوخان عرف سمندر چاچا اور انعام خان کو شہید کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ضلع پلوامہ کے علاقے ہری پریگام میں محاصرے اور تلاشی کارروائی کے دوران بھارتی پولیس نے ثاقب ریاض نامی ایک نوجوان کو گرفتار کرلیا۔

30 اگست 2025۔۔۔ضلع پلوامہ کے علاقے رتنی پورہ کھربٹ پورہ میں بھارتی حکام نے ایک کشمیری گلزار احمد ڈار کا دو منزلہ مکان کالے قانون کے تحت ضبط کرلیا۔

31 اگست 2025۔۔۔ضلع گاندربل کے مانسبل علاقے میں ایک بھارتی فوجی کانسٹیبل چھوٹو کمار اپنی ہی سروس رائفل سے نکلنے والی گولی سے ہلاک ہوگیا۔ضلع پونچھ کے تحصیل منڈی چھپریان میں بھارتی پولیس نے این آئی اے کے ہمراہ ایک چھاپے کے دوران ایک شہری محمد اعظم کی سات مرلہ اراضی ضبط کرلی۔

1 ستمبر 2025۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں قابض حکام نے قائد حریت سید علی گیلانی کی چوتھی برسی کے موقع پر سرینگر میں لوگوں کو فاتحہ خوانی کے لیے ان کی قبر پر جانے نہیں دیا۔بھارتی فوج کو بڑی تعداد میں سرینگر کے علاقے حیدر پورہ میں تعینات کیا گیا تاکہ عوام شہید رہنما کی قبر پر فاتحہ خوانی میں شامل نہ ہوسکیں۔

2 ستمبر 2025۔۔۔ضلع بڈگام کے علاقے بڈی پورہ چاڈورہ میں ایک پولیس آفیسر بشیر احمد تیلی کرنٹ لگنے سے ہلاک ہوگیا۔ضلع راجوری کے علاقے میں ڈیہری ریلیوٹ کے قریب ایک سڑک

ضلع کولگام کے دمہال ہانجی پورہ کے گڈر علاقے میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی جس کے نتیجے میں دو مجاہدین کمانڈر عامر احمد ڈار ساکن شوپیاں کیگام اور رحمان بھائی نے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرلیا۔جھڑپ کے دوران بھارتی فوج کے ایک جونیئر کمیشنڈ آفیسر نائب صوبیدار پربھنت گوڈ اور لانس نائیک نریندرا سندھو ہلاک ہو گئے ہیں جبکہ اسی یونٹ کا میجر ارنو بالی سمیت تین اہلکار شدید زخمی ہو گئے ہیں۔

حادثے میں ایک بھارتی فوجی گاڑی پھسلنے کے دوران ایک جونیئر کمیشنڈ آفیسر سمیت کم از کم 5 بھارتی فوجی اہلکار زخمی ہو گئے۔

4 ستمبر 2025۔۔۔ضلع کپواڑہ کے لولاب بائی پاس روڈ پر ایک حادثے کے دوران بھارتی پولیس گاڑی سڑک سے پھسل گئی جس کے نتیجے میں ایک پولیس آفیسر ایس پی او غلام محمد ساکن بارہمولہ موقعہ پر ہلاک جبکہ تین اہلکار زخمی ہو گئے۔

5 ستمبر 2025۔۔۔ضلع پونچھ کے مینڈھر سیکٹر کے علاقے ڈھلان میں آگ لگنے سے اگنیور کرشا پرتاپ نامی سپاہی زخمی ہو گیا۔

6 ستمبر 2025۔۔۔بھارتی پولیس نے ضلع اسلام آباد کے مٹن علاقے میں ایک جھوٹے مقدمے کے سلسلے میں ایک شہری مذکر محی الدین کی سوئفٹ کار کالے قانون کے تحت ضبط کر لی۔

8 ستمبر 2025۔۔۔ضلع کولگام کے دمہال ہانجی پورہ کے گڈر علاقے میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی جس کے نتیجے میں دو مجاہدین کمانڈر عامر احمد ڈار ساکن شوپیاں کیگام اور رحمان بھائی نے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا۔جھڑپ کے دوران بھارتی فوج کے ایک جونیئر کمیشنڈ آفیسر نائب صوبیدار پربھنت گوڈ اور لانس نائیک نریندرا سندھو ہلاک ہو گئے ہیں جبکہ اسی یونٹ کا میجر ارنو بالی سمیت تین اہلکار شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ضلع جموں کے آر ایس پورہ کے علاقے میں ورکنگ باؤنڈری کے قریب تلاشی کی ایک کارروائی کے دوران بھارتی فوج نے ایک عام نہتے شہری پر غیر ملکی ہونے کا الزام لگا کر گرفتار کر لیا۔

9 ستمبر 2025۔۔۔عام آدمی پارٹی کے رکن اسمبلی معراج الدین ملک کی کالے قانون پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتاری کے خلاف ضلع ڈوڈہ کے مختلف علاقوں میں بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہرے کیے گئے جن میں ہزاروں کی تعداد میں عوام نے شرکت کی۔اس دوران عوام نے بھارتی انتظامیہ کے خلاف شدید نعرہ بازی کی اور بھارتی پولیس پر پتھراؤ بھی کیا۔ بھارتی فوج نے مظاہرین کو منتشر کرنے کے لئے ان پر آنسو گیس کے شل داغے اور لاٹھی چارج کر کے طاقت کا وحشیانہ استعمال کیا جس کے نتیجے میں درجنوں افراد زخمی ہو گئے جبکہ متعدد خواتین سمیت ایک درجن کے قریب شہریوں کو گرفتار کیا گیا۔قابض انتظامیہ نے علاقے کی صورتحال کو چھپانے کے لئے ڈوڈہ، کشتواڑ اور رام بن اضلاع میں 300 سے زائد سوشل میڈیا اکاؤنٹس کو بلاک کر دیا ہے۔ضلع لداخ کے سیاچن علاقے میں بھارتی فوج کے بیس کیمپ پر برفانی تودہ گرنے سے تین فوجی اہلکار ہلاک اور ایک آرمی کیپٹن زخمی ہو گیا۔ضلع بانہال میں سرینگر جموں ہائی وے کے کنارے ایک پل کے نیچے سے دو بچوں اور ایک خاتون کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔

11 ستمبر 2025۔۔۔ضلع بارہمولہ کے پٹن پلہالن علاقے میں بھارتی ایجنسی این آئی اے نے بھارتی فوج کے ہمراہ ایک چھاپے کے دوران محمد مقبول شیخ کی تین کنال پندرہ مرلے زمین اور محمد رفیق تانترے کی چار کنال 17 مارلے زمین کالے قانون "یو اے پی اے" کے تحت ضبط کر لی۔

12 ستمبر 2025 مقبوضہ کشمیر میں انتظامیہ نے کل جماعتی حریت کانفرنس کے سینئر رہنما میر واعظ عمر فاروق کو ایک بار پھر سرینگر میں گھر میں نظر بند رکھ کے نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے جامع مسجد جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔میر واعظ عمر فاروق نے ایک پیغام کے ذریعے بتایا کہ انہیں گھر میں نظر بند کر دیا گیا اور جامع مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے نہیں دی گئی جو مذہبی معاملات میں صریحاً مداخلت ہے۔ضلع کپواڑہ کے علاقے نوگام میں قائم بھارتی فوج کی ایک آرٹلری بٹالین کے کیمپ میں ایک بھارتی فوجی سندیپ کمار اپنی ہی سروس رائفل کی گولی لگنے سے زخمی ہو گیا۔ضلع اسلام آباد کے علاقے کھندرو میں قابض بھارتی فوجیوں کی طرف سے نصب کردہ بارودی سرنگ کی زد میں آ کر ایک نوجوان شاہد احمد ولد محمد یوسف ساکن لارنو اسلام آباد شہید ہو گیا۔ضلع پونچھ کی تحصیل منڈی کے علاقے ساوجیاں میں بھارتی فوج نے تلاشی و محاصرے کی پرتشدد کارروائیوں کے دوران تین افراد کو گرفتار کر لیا۔گرفتار شدگان کی شناخت طارق شیخ ساکن جالیاں، ریاض احمد ساکن چھمبر کناری اور محمد شفیع ساکن کھیت ساوجیاں کے طور پر ہوئی ہے۔بھارتی فوج نے دعویٰ کیا ہے کہ گرفتار شدگان سے سات رائفلیں اور گولہ و بارود برآمد ہوا ہے۔

14 ستمبر 2025۔۔۔ضلع بڈگام کے کھاگ علاقے میں ایک سڑک حادثے میں بھارتی فوج کے 4 اہلکار زخمی ہو گئے جن میں سے دو کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔

15 ستمبر 2025۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں سرینگر جموں ہائی وے پر پھلوں سے لدے ٹرکوں کو بھارتی حکام نے جان بوجھ کر روکتے ہوئے کشمیری تاجروں کو بھاری نقصان سے دوچار کر دیا ہے۔ اس ظالمانہ اقدام کے خلاف وادی کشمیر کی تمام فروٹ منڈیوں میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ ہڑتال کے باعث سوپور، ہندواڑہ، شوپیاں، کولگام اور اسلام آباد سمیت تمام منڈیوں میں کاروبار مفلوج ہو کر رہ گیا۔صرف ضلع رام بن میں سیبوں سے لدے 500 سے زائد ٹرک پھنسے ہوئے ہیں جس سے کاشتکاروں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

16 ستمبر 2025۔۔۔ضلع بانڈی پورہ کے علاقے حاجن میر محلہ میں بھارتی فوج نے ایک کشمیری مزدور فردوس احمد میر جو تین بچوں کا باپ تھا کو گرفتار کر کے فوجی کیمپ میں شدید تشدد کر کے شہید کر دیا اور بعد میں اس کی تشدد زدہ لاش دریائے جہلم میں پھینک دی گئی۔مقتول کے اہل خانہ نے بتایا کہ فردوس احمد کے جسم پر تشدد کے نشانات واضح تھے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے بے دردی سے تشدد کے دوران ہی شہید کر دیا گیا ہے۔فردوس میر کے حراستی قتل کے خلاف حاجن میں بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہرہ ہوا جس میں عوام کی بڑی تعداد نے شرکت اور قتل میں ملوث فوجیوں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا۔